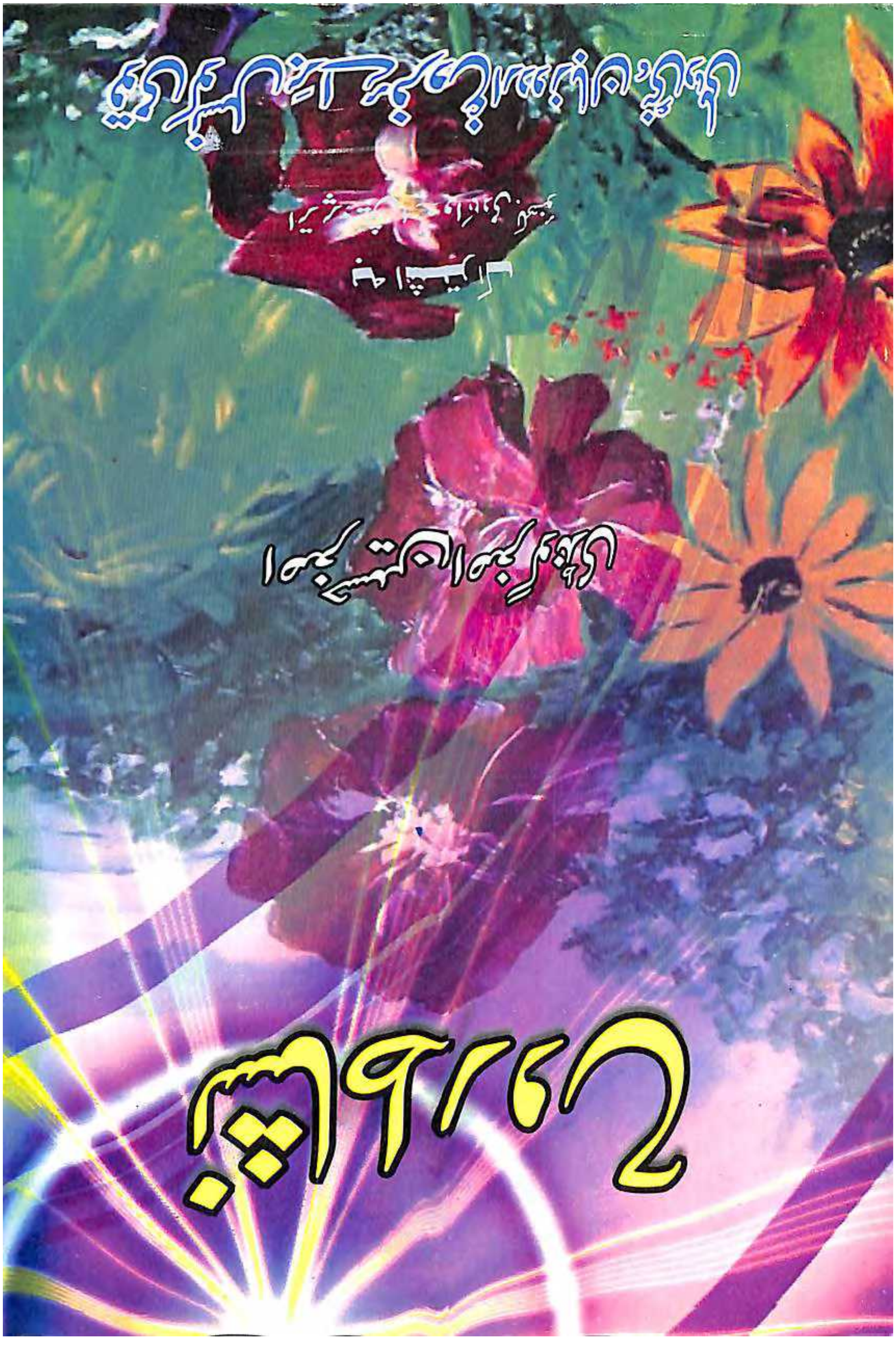

نشاط روح

اصغر حسین اصغر گونڈی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک -1، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066
به اشتراک
اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

Nishat-e-Rooh

by

Asghar Hussain Asghar Gondvi

سنہ اشاعت :

پہلا اتر پردیش اردو اکادمی ایڈیشن : 1982

پہلا قومی اردو کونسل ایڈیشن : 2006، تعداد : 550

قیمت : -/49 روپے

سلسلۂ مطبوعات : 1275

ISBN: 81-7587-191-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducoun@ndf.vsnl.net.in، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد دہلی-110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کررہی ہے۔ اردو زبان و ادب کی ترقی کے لیے اس نے مختلف اقدام کیے ہیں جن میں کمپیوٹر ایپلیکیشن، ملٹی لنگول ڈی۔ٹی۔پی۔، کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن اور اردو رسم الخط میں سرٹیفکیٹ کورس شامل ہیں۔ ان اقدامات کے ذریعے اردو زبان کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے اردو تعلیم کے منظرنامے کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کوشش کو بڑی حد تک کامیابی بھی ملی ہے۔

قومی اردو کونسل کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابوں کی طباعت اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اس لیے اردو زبان کا وہ کلاسیکی سرمایہ جو دھیرے دھیرے نایاب ہوتا جارہا ہے، قومی اردو کونسل نے اس کی مکرر اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ کے کارہائے نمایاں میں سے ایک اہم کام ان اردو کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور ان کی اشاعت ہے جن کا شمار اردو کے کلاسیکی سرمائے میں ہوتا ہے۔ ان کتب کی اردو شائقین کے حلقوں میں جس قدر پذیرائی ہوئی ہے وہ محتاج بیاں نہیں۔ اس لیے اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ کی تمام مطبوعات کو ان کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر قومی اردو کونسل ایک مشترکہ معاہدے کے تحت ازسرنو شائع کرے گی۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گی کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

رشمی چودھری
ڈائرکٹر انچارج

غزل کو جن شاعروں نے وقار بخشا اور اس صنف کو سچ مچ اردو شاعری کی آبرو بنا دیا، ان میں اصغرؔ گونڈوی کا نام بھی نمایاں ہے۔ غزل کی ہمہ گیری اور اس کی اثر انگیزی کا مطالعہ کلامِ اصغر سے استفادہ کیے بغیر ادھورا رہے گا۔ اسی لیے تعلیم کی ثانوی سطح سے لے کر اعلا سطح تک اردو غزل کا جو نصاب بھی مرتب کیا جاتا ہے اس میں کلامِ اصغر لازمی طور پر شامل رہتا ہے۔

اصغرؔ کا پہلا مجموعۂ کلام "نشاطِ روح" یا دوسرا مجموعہ "سرودِ زندگی" کسی نہ کسی نصاب میں شامل ہے لیکن ان کے ایسے ایڈیشن نایاب ہیں جو صاف ستھرے بھی ہوں اور جن کی قیمت زیادہ نہ ہو۔

اتر پردیش اردو اکادمی نے فیصلہ کیا ہے کہ طلبہ کو کم قیمت پر نصابی کتابیں فراہم کی جائیں "نشاطِ روح" کا زیرِ نظر ایڈیشن اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

"نشاطِ روح" کی پہلی اشاعت 1925ء میں عمل میں آئی تھی، اسے مرزا احسان احمد نے مرتب کیا تھا اور یہ مطبع معارف، اعظم گڑھ میں طبع ہوئی تھی۔ اسی کا عکس پیش کیا جا رہا ہے۔

امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اسے بھی حسنِ قبول حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین، مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
قیصر باغ، لکھنؤ
15 اگست 1982ء

دیباچہ

داغ جگر (مجموعۂ کلام حضرت جگر مرادآبادی) کی ترتیب واشاعت کے بعد میں اب تک برابر اس فکر میں رہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو، حضرت اصغر کی شاعری کے اوراق منتشر کو ایک مجموعہ کی شکل میں ترتیب دے کر موجودہ بزم ادب کے سامنے پیش کر دیا جائے، کیوں کہ مجھ کو حضرت اصغر کی شان بے نیازی سے خطرہ تھا کہ کہیں یہ باقی ماندہ سرمایہ سخن بھی ضائع نہ ہو جائے، چند احباب خاص کی طرف سے اس مجموعہ کی اشاعت کے لیے اصرار ہوتا رہا، چنانچہ محض تسکین خاطر کے لیے میں نے متعدد مواقع پر کلام اصغر کی اشاعت کا وعدہ بھی کر لیا اور یہی یقین دلاتا رہا کہ عنقریب یہ مجموعہ ارباب سخن کے سامنے آجائے گا، لیکن اسی کے ساتھ یہ فکر بھی بے قرار تھی کہ آخر امید موہوم پر تشنگان ذوق کو کب تک ٹالا جاسکتا ہے، ایک طرف اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کا خیال تھا اور دوسری طرف کچھ ایسے اسباب درپیش تھے، جو اس ارادہ کی تکمیل میں مانع ہوتے تھے، غرض اسی کشمکش میں اتنی طویل مدت گزر گئی لیکن خوش نصیبی سے اُدھر کچھ ایسے موافق حالات وجود میں آگئے جن کی وجہ سے اس خیال کہن نے دفعتاً عملی شکل اختیار کر لی اور جو کام باوجود متعدد سالوں کی مسلسل جدوجہد کے درجۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا تھا، وہ چند مہینوں میں خوبی کے ساتھ انجام پا گیا چنانچہ ہم آج نہایت مسرت کے ساتھ حضرت اصغر کا یہ مختصر مجموعۂ کلام ارباب سخن کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ ان جواہر پاروں کو پوری قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور ہماری یہ سعی ناچیز مشکور ہوگی۔

حضرت اصغر کا کلام اس پایہ کا ہے کہ اس محاسن گوناگوں کو کافی طور بے نقاب کرنے کے لیے ایک تفصیلی تبصرہ کی ضرورت ہے، میں نے اپنے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف ایک سرسری نظر ہے عجلت اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہ تو صحیح طور پر عنوانات قائم کر سکا اور نہ ان کی تحت میں جو اشعار تھے، ان پر کافی طور پر نقد وبحث کا موقع مل سکا، علاوہ اس کے میری نظر میں اتنی وسعت وبصیرت بھی نہیں کہ ان کے حکیمانہ خیالات کی کافی طور پر داد دے سکوں، لیکن مجھ کو نہایت مسرت ہے کہ میرے عزیز دوست جناب

مولوی اقبال احمد صاحب سہیلؔ ایم اے ایل ایل بی (علیگ) نے اس کمی کی نہایت خوبی کے ساتھ ایک حد تک تلافی کر دی ہے، چنانچہ ناظرین تفصیلی ریویو کے لیے ان کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں، جو میرے مقدمہ کے بعد اس مجموعہ میں درج ہے۔ مولوی اقبال احمد صاحب ایک مدت سے تمام علمی اور ادبی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر سرگرم وکالت ہیں، مضمون نگاری تو درکنار شاعری سے بھی اک گونہ بے تعلق ہو گئے ہیں۔ تاہم باوجود ان حالات کے ہمارے لائق دوست نے جس لطافت اور دقتِ نظر کے ساتھ حضرت اصغرؔ کے کلام پر تبصرہ کیا ہے، وہ حقیقت میں داد کے قابل ہے، اقبال صاحب نے تبصرہ کی افتتاحی سطروں میں کچھ اپنی بے بضاعتی کا اظہار کیا ہے اور یہ یقین دلایا ہے کہ یہ اعتراف کسر نفس پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، لیکن میں ناظرین کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ صرف ان کا کسر نفس ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک صحتِ ذوق اور قوت نقد کا تعلق ہے اردو ادب ان کے وجود پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی یہ لطیف قوتیں اب صرف ذور وکالت پر ضائع ہو رہی ہیں۔

آخر میں ہم جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی کے بھی شکرگزار ہیں جنھوں نے تصویروں کی طباعت کی زحمت خاص طور پر گوارا فرمائی۔

مرزا احسان احمد

مقدمہ

عمر یست کہ افسانۂ منصور کہن شد   من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

اردو کی موجودہ بزم سخن جن چند مخصوص ارباب کمال کی ذات پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، ان میں ایک یہ یگانۂ فن بھی ہے جس کی نازک خیالیاں دردآشنا قلوب کو ہمیشہ تڑپاتی رہیں گی۔

حضرت اصغر شاعرانہ حیثیت سے بالکل غیر معروف نہیں ہیں۔ ان کی نظمیں اکثر جرائد ادبیہ میں شائع ہوتی رہی ہیں، جن کی وجہ سے وہ مخصوص ادبی حلقوں میں کافی طور پر روشناس ہیں، لیکن عام ادبی دنیا اب تک ان کی حقیقی شاعرانہ عظمت سے ناآشنا ہے، اس بنا پر جب حضرت جگر کے دیوان کی ترتیب واشاعت کے دوران میں مجھ کو ان کا کچھ کلام ہاتھ آیا، تو اسی وقت سے میرا یہ ارادہ تھا کہ "بزم ادب" کی طرف سے ایک منتخب مجموعہ ارباب سخن کی خدمت میں پیش کیا جائے، چنانچہ تمہید کے طور پر میں نے دسمبر ۱۹۲۱ء کے علی گڑھ میگزین میں "کلام اصغر" کے عنوان سے ایک مختصر سی تنقید لکھی تھی، جس میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب جناب اصغر کا کلام مع ان کے ذاتی حالات کے ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کروں گا۔ لیکن افسوس ہے کہ متعدد اسباب کی وجہ سے اتنی مدت تک مجھ کو ساکت رہنا پڑا، لیکن اس خیال سے بالکل غافل نہیں رہا۔ چنانچہ اس اثناء میں وقتاً فوقتاً جو کلام اخبارات و رسائل میں نظر پڑا، جمع کرتا رہا، بلکہ اسی ضرورت سے ایک بار حضرت اصغر کی خدمت میں گونڈہ بھی گیا، لیکن اس جہاد کا کوئی معتد بہ نتیجہ نہ نکلا، چنانچہ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایک پوری بیاض کہیں ضائع ہوگئی، ابتدائی کلام بھی کہیں محفوظ نہیں، غرض مجھ کو جناب اصغر سے خود کوئی معتد بہ مدد نہ ملی، بلکہ ان کی اس شان بے نیازی پر افسوس ہوا کہ کیا کیا جواہر پارے رہے ہوں گے، جن کی حیات افروز تجلی سے ارباب نظر کی نگاہیں ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئیں۔

بہر حال حضرت جگر کی وساطت سے مجھ کو حضرت اصغر کا تھوڑا سا کلام شروع ہی میں مل گیا تھا، پھر

میں نے خود اخبارات ورسائل سے لے کر کچھ جمع کیا، گویا اس مجموعہ میں اشعار کی تعداد کم ہے، تاہم اس خیال سے کہ اول تو آج کل ضخیم دواوین وکلیات شائع کرنا یوں بھی کچھ ضروری نہیں رہا ہے، دوسرے اگر اتنا کلام بھی یونہی بے پروائی کی نذر رہا تو بعید نہیں کہ یہ قابلِ قدر ذخیرہ بھی اردو شاعری کے دامن سے ہمیشہ کے لیے جاتا رہے، میں نے ارادہ کرلیا کہ بلا کسی آئندہ تعویق وانتظار کے جو کچھ سرمایہ مرتب ہوگیا ہے اربابِ ذوق کی خدمت میں پیش کردیا جائے لیکن افسوس ہے کہ عجلت کی وجہ سے اس مجموعہ کی ترتیب واشاعت میں کچھ فروگذاشتیں رہ گئیں، مثلاً چھپنے کے وقت متعدد غزلوں میں اکثر اشعار درج ہونے سے رہ گئے تھے جن کا شائع ہونا ضروری تھا، اگرچہ غزل کے سلسلہ میں ان اشعار کا کچھ اور ہی لطف ہوتا، تاہم محض تلافی کے خیال سے وہ باقی ماندہ اشعار کتاب کے آخر میں متفرقات کے تحت میں درج کردیے گئے ہیں۔ علاوہ اس کے ممکن ہے کہ عجلت میں کچھ اور اشعار بھی چھوٹ گیے ہوں جو شائع ہونے کے قابل رہے ہوں، اس لیے میں اس قسم کی فروگذاشتوں کے لیے علاوہ ناظرین کے خود اپنے لائق دوست سے بھی معذرت خواہ ہوں۔

میں نے غزلیات کی ترتیب عمداً ردیف وار نہیں رکھی، کیونکہ یہ صرف عام روش کا اتباع تھا، بلکہ جہاں تک ممکن ہوسکا، میں نے ترتیبِ غزلیات میں زیادہ تر زمانہ کا لحاظ رکھا ہے تاکہ اس کا اندازہ ہوسکے کہ ابتدا میں کلام کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ترقی ہوتی گئی، اس قسم کی ترتیب سے شاعر کے ارتقائے تدریجی کا کافی طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے جو ردیف وار ترتیب کی صورت میں ممکن نہیں۔

ذاتی حالات: حضرت اصغر کا اصلی وطن گورکھپور کے ضلع میں ہے لیکن ایک مدت سے مستقل طور پر گونڈہ میں مقیم ہیں، جہاں ان کے والد ایک مدت سے قانون گو کے عہدے پر مامور تھے لیکن اب پنشن پاتے ہیں، اصلی نام اصغر حسین ہے اور اصغر تخلص ہے، یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وتربیت معمولی اور غیر مستقل طور پر ہوئی، کچھ دنوں انگریزی مدرسہ میں تعلیم پاکر چھوڑ دیا انٹرنس کے امتحان کے لیے تیاری کی، لیکن خانگی پریشانیوں کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے، تاہم اس تھوڑی سی مدت میں فطری صلاحیت کی وجہ سے اتنی استعداد پیدا ہوگئی کہ انگریزی کی ادبی کتابوں کا کافی لطف اٹھاسکتے ہیں، یہی حال عربی اور فارسی کا ہے جو کچھ قابلیت پیدا کی ہے وہ صرف ان کے ذاتی مطالعۂ کتب اور غور وفکر کا نتیجہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک صحیح الفطرت شخص کو خارجی وسائل کی رہنمائی کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے، خود اس کی فطرت کی تجلی اس کے دل ودماغ کو منور کرتی رہتی ہے، چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت اصغر نے باقاعدہ طور پر علوم وفنون کی تحصیل نہیں کی، ان کی نظر میں علمی اور ادبی حیثیت سے

جو وسعت اور لطافت ہے وہ قابلِ رشک ہے۔

شاعری میں بھی حضرت اصغر نے کسی کے سامنے مستقل طور پر زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا ابتدا میں کچھ دنوں منشی خلیل احمد وجد بلگرامی کو اپنا کلام دکھاتے رہے، آخر میں کچھ غزلیں منشی امیر اللہ تسلیم کو دکھلائیں اس کے بعد سلسلہ بند ہو گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی استادی وشاگردی محض رسمی ہوتی ہے۔ شاعر کا اصلی راہبر اس کا ذوقِ صحیح اور وجدانِ سلیم ہے، جو رفتہ رفتہ اس کو صراطِ مستقیم پر ڈال دیتا ہے۔

اخلاقی حیثیت سے حضرت اصغر ایک نہایت قابلِ قدر ہستی ہیں، باوجود زہد وتقویٰ کے مزاج میں رنگینی اور ظرافت کا عنصر بہت زیادہ موجود ہے، بادۂ تصوف کے بھی خاص طور پر ذوق شناس ہیں، چنانچہ ان کو ایک عرصہ سے حضرت قاضی شاہ عبدالغنی صاحب مدظلہ العالی منگلور شریف سہارنپور سے شرف بیعت حاصل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت اصغر کے کلام میں جو سوز وگداز ہے، وہ اسی وادی ایمن کی شرر باریاں ہیں لیکن باوجود لذت شناسِ تصوف ہونے کے حضرت اصغر دنیاوی تعلقات سے آزاد نہیں ہیں، چنانچہ گونڈہ میں ان کا ایک چشمہ کا مستقل کارخانہ ہے، جو ایک مدت سے کام کر رہا ہے۔

زمانہ کی ناقدری دیکھو! ایک شخص جو روح انسانی کی حسیات مخفیہ کا کیف شناس ہے، جس کی زبان وقلم کا ایک ایک حرف اردو ادب کے لیے لعل وگوہر سے زیادہ گراں ارز ہے، جس کی تراوش افکار تشنگان ذوق کے لیے آب حیات کا اثر رکھتی ہے، گردشِ روزگار نے اس کو چشمہ سازی کے کام پر مامور کر رکھا ہے۔

اس وقت ملک میں اردو لٹریچر کی توسیع وترقی کے لیے مختلف قسم کی مرکزی انجمنیں قائم ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اب تک ان کا چمنستانِ امید حضرت اصغر جیسے اربابِ فضل وکمال کے رشحات کرم سے محروم ہے، ہمارے لائق دوست کی شانِ بے نیازی کو شاید اس ناقدر شناسی کی پروا نہ ہو، لیکن ہم کو افسوس ضرور ہے کہ زمانہ کی سرد مہری اور بے اعتنائی کی وجہ سے دنیا آئندہ اس جوہر قابل کی ادبی لطافت ریزیوں سے محروم ہوئی جاتی ہے۔

خصوصیات شاعری: حضرت اصغر موجودہ زمانہ میں ایک ممتاز شاعرانہ حیثیت رکھتے ہیں، غزل گو شعرا پر ایک خاص اعتراض یہ ہے کہ ان میں مسلسل نظم نگاری کی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن حضرت اصغر اس الزام سے بری ہیں، وہ مخصوص کیفیات پر نہایت خوبی اور لطافت کے ساتھ مسلسل نظمیں لکھ سکتے ہیں، جس کا اندازہ صاحب ذوق اس مجموعہ کی ابتدائی نظموں سے کافی طور پر کر سکتا ہے، لیکن چونکہ وہ ازل سے درمند دل لے کر آئے تھے، اس لیے انھوں نے اپنا خاص موضوع سخن تغزل ہی کو قرار دیا، جو فطرت

رنگینی کا سب سے زیادہ نازک اور لطیف جذبہ ہے، اگرچہ تغزل پر اس کثرت سے طبع آزمائیاں کی جا چکی ہیں کہ اب ان پر کوئی معتدبہ اضافہ مشکل معلوم ہوتا ہے، تاہم حضرت اصغر کے خامۂ رنگیں نگار نے اس نقشِ کہن میں وہ آب و رنگ بھر دیا ہے کہ اربابِ ذوق کی نگاہیں روشن ہو جاتی ہیں۔

فلسفہ و حکمت: حضرت اصغر کو قدرت کی طرف سے ایک نکتہ رس اور بلاغت شناس دماغ عطا ہوا ہے، اس لیے ان کی نظر عامیانہ جذبات کی سطح سے گزر کر روحِ انسانی کے ان لطیف حقائق و معارف تک پہنچتی ہے جو دراصل عشقیہ شاعری کی جان ہیں چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔

کیا دردِ ہجر اور کیا لذتِ وصال　　　اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

یہ صرف شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ انصاف سے دیکھو تو اس کا ایک ایک حرف حقیقت سے لبریز ہے، آج کل ملک میں فلسفہ گوئی کا ایک عام مذاق پھیلا ہوا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ شعر پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مولوی مغلق الفاظ میں وعظ کہہ رہا ہے، حالانکہ شاعر کو یہ کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ وہ شاعر ہے، فلسفی نہیں ہے، اگر اس کے اندازِ بیان میں شاعرانہ رنگینی اور لطافت نہیں ہے، تو اس کا تمام درسِ حکمت محض بے کار ہے، پھر اس میں اور ایک مولوی میں کیا فرق رہ جاتا ہے، اس کا اصلی طغرائے امتیاز یہی ہے کہ وہ دقیق سے دقیق، خشک سے خشک مسائل کو اس رنگین پیرائے میں ادا کرتا ہے کہ سامع پر ایک نشہ سا چھا جاتا ہے، حضرت اصغر کی امتیازی خصوصیت یہی ہے کہ وہ حقائق نگاری کے ساتھ ساتھ شاعرانہ اندازِ بیان کی لطافت اور دلآویزی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، محض خشک الفاظ میں فلسفہ لکھ دینا آسان ہے، لیکن فلسفہ کے ساتھ ساتھ شعریت کا لحاظ رکھنا ہر شخص کا کام نہیں، اس نازک فرض سے وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو حکیم بھی ہو اور شاعر بھی۔

حضرت اصغر دونوں حیثیتوں کے جامع ہیں اس لیے وہ عام شاہراہ سے الگ ہو کر اکثر حکیمانہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اس طرح کہ شعریت کو کہیں صدمہ پہنچنے نہیں پاتا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

علم و عرفاں کا تقاضا ہے کہ عالمِ کائنات اور اس کے مشاہد و مظاہر کو صرف ایک سرابِ بے بود تصور کر لیا جائے، ظاہر ہے کہ ایک حقیقت شناس نگاہ اس شاہدِ مادیت کی فریب کاریوں سے متاثر نہیں ہو سکتی چنانچہ غالبؔ نے جب یہ کہا

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ　　　عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تو یہ دراصل اسی بادۂ علم و عرفاں کا نشہ تھا، لیکن فریبِ شہود کو فریب سمجھ کر اس کی طلسم کاریوں

کے سامنے سرِ عقیدت خم کر دینا دراصل "بساط آرائے شہود" کے منشاء کی تعمیل ہے جو یقیناً علم و عرفان سے ایک بلند تر مقام ہے، کیونکہ عالمِ موجودات کو فریب سمجھ کر اس سے کنارہ کش ہو جانا مشیت ایزدی کے خلاف علم نافرمانی بلند کرنا ہے، بزمِ شہود فریب ہی سہی، لیکن اس فریب میں مبتلا ہی ہو جانا عین منشاء قدرت کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جلوہ گاہِ حقیقت کے محرمانِ خاص باوجود اس کے کہ ان کو دنیا کی بے ثباتی کا یقینِ کامل تھا، رزم گاہِ حیات میں ہمیشہ سرگرم عمل نظر آتے ہیں، اس بنا پر یہ مقام جہل یعنی فریب شہود کا دلدادہ بن جانا علم و عرفاں سے کہیں بلند تر ہے۔

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے　　　میں بے خبر ہوں با اندازۂ فریبِ شہود

غور کرو یہ کس قدر دقیق فلسفیانہ نکتہ ہے جس میں شعریت پیدا کرنا کچھ آساں کام نہ تھا، چنانچہ جہاں تک پہلے مصرعہ کا تعلق ہے، اندازِ بیان خالص فلسفیانہ ہے اور اگر مصرعہ ثانی کا بھی یہی رنگ ہوتا، تو وہ کسی تصوف و حکمت کی کتاب کی کوئی سطر زریں ضرور بن جاتا لیکن شعر کہلائے جانے کا مستحق نہ ہوتا، لیکن غور کرو کہ "باندازۂ فریبِ شہود" کے ٹکڑے نے انداز بیاں میں کس قدر شعریت پیدا کر دی ہے، اور شعریت کے ساتھ ساتھ اس کی معنویت بھی کس حد تک بلند اور روشن کر دی ہے چنانچہ یہ ٹکڑا اگر موجود نہ ہوتا تو معنوی لحاظ سے شعر میں کوئی خاص لطافت اور بلندی پیدا نہ ہوتی۔

ذوقِ جستجو خود ایک حجاب ہے، چنانچہ انسان ایک راز کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا راز سامنے آ جاتا ہے۔ غرض جب تک وہ اس جدوجہد میں مصروف رہتا ہے حقیقت اس کی نگاہوں سے مخفی رہتی ہے لیکن جب اس پر بےخودی طاری ہو جاتی ہے تو یہ حجابِ جستجو دفعتاً اٹھ جاتا ہے اور جمالِ حقیقت نظر آنے لگتا ہے۔

جس پہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب　　　بےخودی نے اب اسے محسوس وعریاں کر دیا

اسی خیال کو ایک دوسری جگہ نہایت لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے

خستگی نے کر دیا اس کو رگِ جاں سے قریب　　　جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے

حسن ایک غیر محدود شے ہے جس کی تجلی جہت و مقام کی بندشوں سے آزاد ہے اس لیے اس کا ذوقِ مشاہدہ متقاضی ہے کہ ظاہر و باطن کے قیود باقی نہ رہیں۔

بیچ حسنِ تعیّن سے ظاہر ہو کہ باطن ہو　　　یہ قیدِ نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے

اکثر انسان میں مخصوص صلاحیتیں ہوتی ہیں جو مخفی اور غیر محسوس رہتی ہیں، لیکن جب کوئی خارجی اثر محرک ہوتا ہے تو وہ دفعتاً چمک اٹھتی ہیں، دیکھو اس نکتہ کو کس شاعرانہ انداز کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

اُس رخ پہ دیکھتا ہوں اب اپنی نظر کو میں ایسا بھی ایک جلوہ اس میں چھپا ہوا

یعنی جب تک رخِ رنگین کے پرتو سے نظر فیضیاب نہیں ہوئی تھی اس وقت تک اس کی معجز نمائیوں کا احساس نہ تھا۔

ایک ہی ہستی مختلف مقامات پر استعدادِ محل کے اعتبار سے مختلف ناموں سے تعبیر کی جاتی ہے۔

بھرا ہے خلوۂ فطرت میں رنگ فتنہ گری کہیں ہے عشق کہیں ہے کشش کہیں حرکت

غور کرو ثانی مصرعہ کی طرز ادا نے شعر میں کس قدر لطافت اور دل آویزی پیدا کر دی ہے۔

کائنات اور اس کے مظاہر عدم محض ہیں، حقیقی وجود صرف جمالِ الٰہی کا ہے، بقیہ جو کچھ نظر آتا ہے سب اسی کا عکس ہے، فی نفسہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، اس لطیف نکتہ کو حضرت اصغر ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

یہ نیستی و ہستی افسانہ ہے افسانہ اک قطرۂ شبنم پر خورشید ہے عکس آرا

دیکھو قطرۂ شبنم کی ترکیب نے علاوہ شعریت کے ''عدم محض'' کی تخئیل کو کس خوبی کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے۔

مستقل جلوہ صرف ذاتِ مطلق کا ہے، بقیہ مشاہد و مناظر صفات کی نیرنگیوں کے کرشمے ہیں۔

فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے لو، شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے

ان اشعار سے تم بخوبی اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت اصغر کی نکتہ رس نگاہ اسرار و معارف کی کس حد تک اداشناس ہے؟ اس قسم کے اکثر اشعار اس مجموعہ میں موجود ہیں، جن سے ان کے کلام کی معنوی لطافت ریزیوں کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے ان کو قلم انداز کرنا پڑتا ہے۔

لطافتِ خیال: حضرت اصغر کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت خیالات کی پاکیزگی اور اندازِ بیان کی لطافت اور جدت ہے، وہ ہمیشہ بلند اور لطیف جذبات و احساسات کی مصوری کرتے ہیں، جہاں تک عام نگاہیں پہنچنے سے قاصر ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عام خیال ہے کہ عاشق کی وارفتگی و سرمستی جلوۂ حسن کے دیدار کا فیضِ اثر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادائے حسن کا نظارہ ناممکن ہے کیونکہ جب ہوش ہی قائم نہیں رہتا تو شعاعِ جمال کی جلوہ ریزیوں سے کوئی کیوں کر کیف اندوز ہو سکتا ہے، جو کچھ دل و دماغ پر سرمستانہ کیفیت طاری ہے، وہ صرف عشق ہی کی تاثیر مخفیہ کا نتیجہ ہے، اس لطیف نکتہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

ہوش کا جب گزر نہیں اس کی حریم ناز میں سب ہے ادائے بےخودی ورنہ ادائے حسن کیا

چشم ساقی کے اشاروں پر مختلف طریقوں سے طبع آزمائیاں کی گئی ہیں۔ لیکن جس لطافت تک حضرت اصغر کی نکتہ رس نگاہ پہنچی ہے اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔

بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا

کیا اس سے زیادہ اور کوئی لطیف پہلو دماغ میں آ سکتا ہے؟

گریباں محض وحشت کا پردہ نہیں ہے بلکہ خود حسن کا پردۂ راز ہے، جس کا چاک کرنا گویا خود لیلائے حسن کو بے نقاب کرنا ہے اس لیے گریباں چاک ہوتے وقت ایک نکتہ رس عاشق کا دل کانپ اٹھتا ہے کہ یہ حقیقت میں خود حسن کی پردہ دری ہے۔

غضب ہوا کہ گریباں ہے چاک ہونے کو تمہارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری

یاس وناامیدی عام شعرا کے لیے پیامِ موت ہے لیکن اہلِ نظر کے لیے یہی سرمایۂ حیات ہے، کیونکہ یاس وناکامی کے ساتھ جلوۂ محبوب کی جھلک بھی پیش نظر رہتی ہے، اس لطیف نکتہ کو حضرت اصغر یوں ادا کرتے ہیں۔

سرمایۂ حیات ہے حرمانِ عاشقی ہے ساتھ ایک صورتِ زیبا لیے ہوئے

حسن یار کی تجلی اگر کرم فرمانہ ہو تو نگاہِ شوق میں ذوقِ مشاہدہ کی استعداد پیدا نہیں ہوسکتی۔

نگاہ شوق کو یارائے اسیر ودید نہ ہو جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یار نہ ہو

حسن دراصل کوئی مستقل وجود نہیں صرف نگاہِ شوق کی رنگینیوں کا پرتوِ جمال ہے۔

ستم جو چاہے کرے مجھ پہ عکس ذوق نظر بساط آئینۂ حسن خود نما معلوم

زندگی صرف ذوقِ طلب اور اضطرابِ پیہم کا نام ہے اس لیے ایک زندہ روح کو سکون وصل میں کوئی لطف محسوس نہیں ہوسکتا۔

آغوش میں ساحل کے کیا لطف سکوں اس کو یہ جان ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے

عشق کی ناکامیاں دراصل زندگی کا حاصل ہیں، اس لیے زندگی کا جو حصہ ناکامیوں میں گزرتا ہے وہ بیکار نہیں ہوتا۔

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے جو عمر رائگاں ہے وہی رائگاں نہیں

حسن خود عشق سے ہم آغوش ہونے کے لیے مضطرب ہے، ورنہ خود عشق میں اتنی بلند پروازی کہاں کہ وہ حریم حسن میں باریاب ہوسکے۔

شعاعِ مہر خود بیتاب ہے جذبِ محبت سے حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی

عام مذاق کے نزدیک درد و غم کا مقصود وصل محبوب ہے لیکن ایک بیدار دل کے لیے درد و غم کا حاصل صرف اس کی ابدی لذت ہے، اس لیے وہ تاثیر آہ کا متلاشی نہیں وہ صرف آہ اس لیے کرتا ہے کہ خود اس میں ایک کیف پنہاں ہے۔

بہائے درد و الم درد و غم کی لذت ہے　　وہ ننگ عشق ہے جو آہ ہو اثر کے لیے

ان اشعار سے تم کافی طور پر اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت اصغر کے دل و دماغ میں کس حد تک لطافت اور پاکیزگی کا عنصر موجود ہے، اس قسم کے اور لطیف اشعار بھی بکثرت حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں لیکن طوالت کے لحاظ سے ان کو قلم انداز کرنا پڑتا ہے، چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا　　جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے

پھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ ادائے برق حسن　　چیخ اٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھ کر

رکھ دیے دیر وحرم سر مارنے کے واسطے　　بندگی کو بے نیاز کفر وایماں کردیا

چاہا جہاں سے منظر فطرت بدل دیا　　ہے کل جہاں تابع فرمانِ آرزو

ندرت ادا: لطافتِ خیال کے علاوہ ایک کامل الفن شاعر کے لیے اندازِ بیان کی ندرت اور جدت نہایت ضروری چیز ہے، بغیر اس کے اس کی تمام جدت طرازیاں بالکل بیکار ہیں، اس لیے جو شعرا بلاغت شناس ہوتے ہیں وہ ہمیشہ ایسا دلآویز پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں، جس کی وجہ سے معمولی سا معمولی خیال بھی دلکش بن جاتا ہے۔ حضرت اصغر تاثیر شعری کے اس رمز لطیف سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے وہ ہمیشہ طرز ادا کی ندرت کا خاص لحاظ رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ معمولی بات بھی کہتے ہیں، تو اس انداز سے کہ سننے والا وجد کرنے لگتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

آرزوئے دید کی وارفتگی کا مختلف طریقوں سے اظہار کیا گیا ہے اور یہ ہمارے شعرا کا عام موضوع سخن ہے، لیکن دیکھو حضرت اصغر اتنے پامال جذبہ کو کس پر کیف انداز کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریز　　میں خاک اور ذوق تماشا لیے ہوئے

حسنِ یار کے اشارہ ہائے چشم وابرو پر دیدۂ و دل کا نثار کرنا ہمارے شعرا کا شیوۂ عام ہے، جو اکثر ابتذال کی حد تک پہنچ جاتا ہے، لیکن حضرت اصغر کی لطافت ادا نے اس خیال میں جو نزاکت پیدا کردی ہے وہ ان کے ندرت بیان کی ایک روشن مثال ہے، ملاحظہ ہو۔

مری نگاہوں نے جھک جھک کے کردیے سجدے　　جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

''جہاں جہاں'' کے ٹکڑے نے شعر میں جو لطیف اور بلیغ پہلو پیدا کردیا ہے وہ محتاج اظہار نہیں۔

معشوق کے جلووں کی معجز طرازیوں کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

پرتوِ رُخ کے کرشمے تھے بسر راہ گزار　　ذرے جو خاک سے اٹھے وہ صنم خانہ بنے

محبوب کے نقش پا کی شوخی و رعنائی کی کیفیت کو اس دلکش پیرائے میں ادا کرتے ہیں۔

اس سے زیادہ اور کیا شوخیِ نقش پا کہوں　　برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز میں

اس قسم کے اشعار بکثرت حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جن سے کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک اندازِ بیان میں لطافت اور ندرت پیدا کر سکتے ہیں، افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے ہم ان پر تفصیلی نظر نہیں ڈال سکتے۔

حضرت اصغر کے حسنِ ادا کا خاص راز ان کا ذوقِ فارسیت ہے، غزل کی زبان اگرچہ جہاں تک ممکن ہو، سادہ، شیریں اور تکلف سے خالی ہونی چاہیے، تاہم ایک لطیف طبع شاعر فارسی ترکیبوں کی نزاکت کو نظر انداز نہیں کر سکتا، لیکن اس موقع پر اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جو فارسی ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں، وہ شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے خالی نہ ہوں، ورنہ کلام میں ثقالت اور پستی آ جائے گی۔ حضرت اصغر فارسی ترکیبوں کے خاص طور پر دلدادہ ہیں لیکن چونکہ نکتہ سنج ہیں، اس لیے ایسی لطیف ترکیبیں استعمال کرتے ہیں جن سے شعر میں ایک خاص رعنائی اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً۔

جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم　　چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری

ستارۂ سحری سے قطرۂ اشک کی تشبیہ کس قدر لطافت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

پھر دل میں التفات ہوا ان کے جا گزیں　　اک طرزِ خاص رنجشِ بیجا لیے ہوئے

کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز　　کہ جرعہ جرعہ ہے موجِ ترنم سحری

اس جوئبارِ حسن سے سیراب ہے فضا　　روکو نہ اپنی لغزشِ مستانہ وار کو

ہجومِ غم میں نہیں کوئی تیرہ بختوں کا　　کہاں ہے آج تو اے آفتاب نیم شبی

بلبلِ زار سے گو صحنِ چمن چھوٹ گیا　　اس کے سینے میں ہے اک شعلہ گلفام ابھی

قلب پر اب تک تڑپتی ہے شعاعِ برقِ طور　　خون کے قطروں میں اب تک رقصِ منصوری بھی ہے

اک شورشِ بے حاصل اک آتش بے پروا　　آفت کدۂ دل میں اب کفر نہ ایماں ہے

جانِ بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی　　اب چمن میں نہ رہا شعلۂ عریاں کوئی

دل جلوہ گاہِ حسن بنا فیضِ عشق سے　　وہ داغ ہے، کہ شاہدِ رعنا کہیں جسے

اکثر رہا ہے حسنِ حقیقت بھی سامنے　　اک مستقل سرابِ تمنا کہیں جسے

خط کشیدہ ترکیبوں پر غور کرو، کس قدر شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے معمور ہیں، بلکہ وہی شعر کی جان ہیں، چنانچہ یہ ترکیبیں اگر نکال دی جائیں تو شعر کی تمام لطافت برباد ہو جاتی ہے اس قسم کی ترکیبیں تم کو اکثر حضرت اصغر کے کلام میں ملیں گی جن سے شعر کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

صفائی و برجستگی: اگرچہ حضرت اصغر پر ذوق فارسیت بہت زیادہ غالب ہے، تاہم ان کی زبان میں ایک خاص قسم کی صفائی اور برجستگی پائی جاتی ہے یہ محض ایک ذوقی چیز ہے، جس کا اندازہ مثالوں سے ہو سکتا ہے، بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

موجِ نسیم صبح کے قربان جائیے — آئی ہے بوئے زلفِ معنبر لیے ہوئے
پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی — ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لیے ہوئے
رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے — جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے
تقدیر کس کے خرمنِ ہستی کی کھل گئی — طوفان بجلیوں کا تمھاری نظر میں ہے
آئے تھے سبھی طرح کے جلوے مرے آگے — میں نے مگر اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا
ہر اک جگہ تری برقِ نگاہ دوڑ گئی — غرض یہ ہے کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو
اس کی نگاہِ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح — ابتک اچھل رہی ہے رگِ جاں آرزو

دیکھو سادگی اور برجستگی کے ساتھ ان اشعار میں ایک خاص کیفیت بھی موجود ہے۔

جوش و مستی: حضرت اصغر کی شاعری کی ایک دوسری امتیازی خصوصیت جوش و مستی ہے جس نے ان کو تمام معاصرین سے علانیہ ممتاز کر دیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک جوش، رقص اور مستی کا تعلق ہے۔ حضرت اصغر کو بجا طور پر اردو کا حافظ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت اصغر فطرتاً نہایت شگفتہ مزاج اور رنگینِ طبع واقع ہوئے ہیں۔ علاوہ اس کے بادۂ تصوف کا نشہ بھی سر میں ہے، اس لیے ان کی ایک ایک ادا جوشِ محبت میں ڈوبی ہوئی ہے، یاس و حسرت، آہ و بکا، گریہ وزاری، فریاد و ماتم کے پست اور بزدلانہ جذبات سے ان کا نشاط آفریں، دل و دماغ قطعاً نا آشنا ہے، وہ اپنے پہلو میں ایک زندہ اور بیدار دل رکھتے ہیں جو سرتاپا نشاطِ حیات سے مخمور ہے، اس لیے ان کی زبان سے جو حرف نکلتا ہے، کیف و سرور سے لبریز ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہو سکتا ہے۔

سرشکِ شوق کا وہ ایک قطرۂ ناچیز — اُچھالتا تھا کہ اک بحرِ بے کنار ہوا
بیخود و محو جسم و جاں، مست زمیں و آسمان — حسن نے دستِ ناز سے چھیڑ دیا ہے سازِ عشق
انوار کی ریزش ہو، اسرار کی بارش ہو — ساغر کو جو ٹکرا دوں اس گنبدِ مینا سے

سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں   اتنا اچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے
ہے تیرے تصور سے یہاں نور کی بارش   یہ جانِ حزیں ہے کہ شبستانِ حرا ہے
مانا حریم ناز کا پایہ بلند ہے   لے جائے گا اچھال کے دردِ جگر مجھے
وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں   سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے
نہیں معلوم یہاں دارورسن ہے کہ نہیں   خون میں گرمیٔ ہنگامۂ منصور ہے آج
یہ دین، وہ دنیا ہے، یہ کعبہ ہے، وہ بت خانہ   ایک اور قدم بڑھ کر اے ہمت مردانہ
کچھ صبحِ ازل کی نہ خبر شامِ ابد کی   بیخود ہوں تہ سایۂ دامانِ محمدؐ
اب اس نگاہ ناز سے ربط لطیف ہے   مجھ کو دماغ صحبتِ روحانیاں نہیں
بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے   غنچوں کی کھلی آنکھیں دامن کی ہوا آئی
نام اُن کا آگیا کہیں ہنگام باز پرس   ہم تھے کہ اڑ گئے صف محشر لیے ہوئے
کچھ انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمۂ رنگین   کہ فرطِ شوق سے جھومی ہے شاخِ آشیاں برسوں

ان اشعار کو پڑھو! معلوم ہوتا ہے کہ ایک رند سرمست ہے، جس کو زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے، اس قسم کے اور بھی اشعار حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جن سے ان کے ولولۂ محبت کی سرمستیوں کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے لیکن طوالت کے خوف سے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

اردو کا تغزل باوجود گوناگوں اوصاف کے اب تک رقص و مستی کی کیفیت سے نا آشنا تھا، یعنی اب تک عام طور پر یاس وحسرت، فریاد و ماتم، آہ وفغاں وغیرہ بے کیف اور ولولہ شکن جذبات ادا کیے جاتے تھے، کیف وسرور کا عنصر تقریباً مفقود تھا، موجودہ زمانہ میں یہ فخر صرف حضرت اصغر کو حاصل ہے کہ ان کی سحر طرازیوں نے غزل کے قدیم قالب بے جان میں رقص و مستی کی ایک جدید روح پھونک دی اور لوگوں کو نظر آگیا کہ تغزل اگر فی الواقع تغزل ہے وہ کس حد تک مضطرب قلوب کو متاثر کر سکتا ہے۔

عشق نشاط روح کا سرچشمہ ہے، اس لیے غزل میں جو حسن ومحبت کی رنگینیوں کا آئینہ ہے، بجز بلند، لطیف اور آتش فشاں جذبات کے فریاد وماتم، یاس وغم کی گنجائش نہیں ہوسکتی، چنانچہ حضرت اصغر خود فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں۔

غزل کیا اک شرار معنوی گردش میں ہے اصغر   یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد ماتم کی

پھر فرماتے ہیں۔

شعر میں رنگینیِ جوشِ تخیل چاہیے   مجھکو اصغر کم ہے عادت نالۂ وفریاد کی

ایک شخص جس کو قدرت کی طرف سے احساس لطیف عطا ہوا ہے، جس کے دل ودماغ پرنشاط محبت کی رنگینیاں چھائی ہوئی ہیں، انصاف یہ ہے کہ فریاد و ماتم اس کے بس کی بات نہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اب اس شیوۂ کہن میں کوئی لطافت بھی نہیں رہی، طبیعتیں افسردہ ہیں، اس لیے ان کو مشتعل کرنے کے لیے اب برق پاشی کی ضرورت ہے چنانچہ حضرت اصغر اس آہ وفغاں سے تنگ آ کر کہتے ہیں۔

خروشِ آرزو ہو، نغمۂ خاموش الفت بن   یہ اک شیوۂ فرسودۂ آہ وفغاں برسوں

کیا ہمارے شعرا کے قدیم ماتم کدوں سے اس نعرۂ مستانہ پر کوئی صدائے لبیک بلند ہوسکتی ہے؟ علاوہ جوش ومستی کے حضرت اصغر کی نگاہیں حسن کی لطیف رنگینیوں کی بھی روشناس ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لالۂ وگل پہ جو ہے قطرۂ شبنم کی بہار   رُخِ رنگیں پہ جو آئے تو حیا ہوجائے
رُخِ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی   شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی
شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے   وہ ربط خاص رنجش بے جا کہیں جسے
اس عارضِ رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا   معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی
پھر اُن لبوں پہ موجِ تبسم ہوئی عیاں   سامان جوشِ رقص تمنا لیے ہوئے

حسن اشعار کی لطافت الفاظ کے بار گراں کی متحمل نہیں ہوسکتی، اس کا اندازہ صرف ذوق صحیح کرسکتا ہے۔ شوخی ظرافت کا رنگ بھی ملاحظہ ہو۔

زاہد نے مرا حاصل ایماں نہیں دیکھا   رخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا
عارض نازک پہ ان کے رنگ سا کچھ آ گیا   ان گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کردیا
بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشم مست پر   ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ دیکھتے
پھر آج بزمِ عیش میں آئے جناب شیخ   وحشت نوائی غمِ فردا لیے ہوئے

دیکھو اس موقع پر بھی حضرت اصغر لطافت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

سوزوگداز: غزل کی ایک خاص خصوصیت سوز وگداز ہے، جس کے بغیر شعر میں تاثیر پیدا نہیں ہوسکتی، لیکن سوز وگداز آہ وبکا کا نام نہیں، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ دل کی ایک لطیف دردمندانہ کیفیت کا نام ہے جس کے اثر سے شاعر کا ایک ایک حرف لبریز ہوتا ہے اس حیثیت سے حضرت اصغر کا اس وقت کوئی حریف نہیں، چونکہ علاوہ ایک نکتہ رس اور بلاغت شناس شاعر

ہونے کے ذوقِ تصوف کے بھی لذت شناس ہیں اس لیے ان کا سینہ سوز وگداز درد و نیاز کا آتشکدہ ہے، چنانچہ خود کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں۔

میں سراپا ہوں تمنا ہمہ تن درد ہوں میں   ہر بن مو میں تڑپتا ہے مرے دل میرا

حقیقت یہ ہے کہ حضرت اصغر عشق و محبت کی ایک ایک منزل سے عملاً واقف ہیں، اس لیے وہ جن کیفیات کو ادا کرتے ہیں وہ خود ان کے درد آشنا قلب پر طاری ہوتی رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان سے جو حرف نکلتا ہے تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے لیکن سوز وگداز میں بھی حضرت اصغر نے اپنی امتیازی خصوصیت کی شان قائم رکھی ہے، یعنی محض درد ہی درد نہیں ہے بلکہ اس میں ذوقِ محبت کی رنگینیاں بھی بھر دی ہیں اور انصاف یہ ہے کہ جس رنگینی کے ساتھ حضرت اصغر نے پُر گداز جذبات ادا کیے ہیں اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

غزل میں درد رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا   کہ اس میدان میں روتے رہیں گے نوحہ خواں برسوں

یہ صرف شاعرانہ تعلّی نہیں ہے، بلکہ صاحب ذوق صاف طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ حضرت اصغر نے تغزل کو شور و فغاں، فریاد و ماتم کی مبتذل اداؤں سے پاک کر کے اس کو کس حد تک نشاط درد کی رنگینیوں سے معمور کر دیا ہے۔

سوز وگداز درحقیقت ایک ذوقی چیز ہے، جس کا احساس وجدانِ سلیم سے وابستہ ہے، حضرت اصغر کا کلام اگرچہ سرتاپا گدازِ عشق کی لطیف کیفیت سے لبریز ہے تاہم چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن سے ایک حد تک اندازہ ہوگا کہ وہ پُر درد جذبات بھی کس رنگین انداز کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔

تو نے یہ اعجاز کیا اے سوز پنہاں کر دیا   اس طرح پھونکا کہ آخر جسم کو جاں کر دیا

مدت ہوئی کہ چشمِ تحیر کو ہے سکوت   اب جنبش نظر میں کوئی داستاں نہیں

میری فغانِ درد پہ اس سرو ناز کو   ایسا سکوت ہے کہ تقاضا کہیں جسے

دیکھو معشوق کی جفاکشی کو کس لطیف پیرایے میں ظاہر کیا ہے۔

دل میں اک بوند لہو کی نہیں رونا کیسا   اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی

غور کرو کس قدر رنگین پیرایہ بیان ہے۔

روانی رنگ لائی دیدۂ خونتابہ افشاں کی   اتر آئی ہے اک تصویر دامن پر گلستاں کی

اس حریم قدس میں کیا لفظ و معنی کا گزر   پھر بھی سب باتیں پہنچتی ہیں لب فریاد کی

نغمۂ پُر درد چھیڑا میں نے اس انداز سے   خود بخود مجھ پر نظر پڑنے لگی صیاد کی

دل ہوا مجبور جس دم اشک حسرت بن گیا   روح جب تڑپی تو صورت بن گئی فریاد کی

مجھ کو نہیں ہے تاب خلشہائے روزگار   دل ہے نزاکتِ غم لیلا لیے ہوئے

افتادگانِ عشق نے سر اب تو رکھ دیا   اٹھیں گے بھی تو نقش کفِ پا لیے ہوئے

محبت کی وارفتگی کی کتنی پُر کیف مصوری ہے۔

اک شعلہ اور شمع سے بڑھ کر ہے رقص میں   تم پھاڑ کر سینۂ پروانہ دیکھئے

سجدۂ شوق کی بے قرارانہ کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

کیجیے آج کس طرح دوڑ کے سجدۂ نیاز   یہ بھی تو ہوش اب نہیں پاؤں کہاں ہے سر کہاں

خاک پروانے کی برباد نہ کر بادِ صبا   یہی ممکن ہے کہ کل تک مرا افسانہ بنے

میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں   رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے

مجھ کو جلا کے گلشنِ ہستی نہ پھونک دے   وہ آگ جو دبی ہوئی مجھ مشت پر میں ہے

خاکِ پروانہ پر شعرا عام طور پر اشک حسرت بہا کر رہ جاتے ہیں لیکن حضرت اصغر کی پُر گداز نگاہوں کو اسی خاک ناچیز کے ذروں میں جمال شمع شبستانی کی تجلی رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبستاں کے   اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ

اس شعر کی نزاکت ادا پر ذوقِ رنگیں جس قدر ناز کرے، بجا ہے۔

اس قسم کے پُر گداز اشعار اکثر حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ ایمن میں شرر باریاں ہو رہی ہیں۔

افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے ہم حضرت اصغر کے کلام پر اس شرح و تفصیل کی ساتھ نقد و بحث نہ کر سکے جس کا دراصل وہ مستحق تھا اور نہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے ہم کو غور و فکر کا کافی موقع مل سکا، تاہم اس مختصر اظہار خیال سے اربابِ ذوق کافی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت اصغر شاعرانہ حیثیت سے کس حد تک عظمت و احترام کے مستحق ہیں۔

میرا یہ دعویٰ کہ حضرت اصغر کا کلام فروگزاشتوں سے بالکل منزہ ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ ان کی لطافت آفرینیوں نے تغزل کے انداز قدیم میں رقص و سرور کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے جو اب تک نگاہوں سے مخفی تھا، حضرت اصغر نہ کسی خاص صنف سخن کے موجد ہیں اور نہ وہ دنیا میں کوئی پیام لے کر آئے ہیں اور ان کی لطافتِ روحانی مادیت کے گیر و دار کی متحمل ہو سکتی ہے۔

ان کی نگاہیں صرف اسی عالمِ قدس کے روح پرور مناظر کی اداشناس ہیں جہاں بجز ایک لازوال

تاثر ایک روح نواز ترنم، ایک ابدی لذت، ایک جاں فروز تجلی، ایک نشاط آفریں رقص، ایک دلگداز ذوق، ایک آتش فشاں وجد کے سوا اور کوئی سماں نظر نہیں آتا، اس لیے موجودہ مذاق جو عالم مادی کے حوادث وافکار کی مرقع نگاری کا دلدادہ ہے ممکن ہے کہ حضرت اصغر کی اس لغزش مستانہ کے خیر مقدم کے لیے تیار نہ ہو لیکن ذوق لطیف عشق و محبت کے ان اسرار رنگیں پر جو در حقیقت صحیفۂ شاعری کے ابدی نقوش ہیں، بغیر وجد کیے ہوئے نہیں رہ سکتا۔

مرزا احسان احمد بی اے ایل ایل بی (علیگ)
اعظم گڑھ
۴ر دسمبر ۱۹۲۵ء

تبصرہ

از

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم، اے، ایل، ایل، بی

نقد و تبصرہ اور وہ بھی فنون لطیفہ کے متعلق بجائے خود صحت ذوق کے علاوہ بہت کچھ دقت نظر اور وسعت معلومات کا محتاج ہے، تاثیر و تنقید دو مختلف شعبے ہیں جو ایک دوسرے سے بمراحل دور ہیں، بہت ممکن ہے کہ ایک نغمۂ دلکش میری روح پر رقص پیہم کی کیفیت پیدا کرے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس نغمہ کی تاثر اور میری روح کے تاثیر میں جو ربط معنوی ہے اس پر میں حکیمانہ اور فلسفیانہ نظر بھی رکھتا ہوں یا اس کے مخفی اسباب و علل کو الفاظ میں ظاہر کرنے پر بھی قادر ہوں، شاعری حقیقت میں حسن مجرد کی اس مصوری کو کہتے ہیں جس میں لطیف موسیقی بھی شامل ہو، اور جب آج تک حُسن صوری کی تمام اداؤں اور نغمۂ مادی کی تمام کیفیات کے لیے زبان میں الفاظ نہیں ملتے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ "بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست" تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ حُسن معنوی اور نغمۂ روحانی یعنی شاعری جیسی ذوقی اور وجدانی چیز کی نسبت ہماری کیفیات نفسی کی تعبیر الفاظ میں کی جا سکے، اور وہ بھی جناب اصغر کی شاعری، جس کا ایک ایک حرف کمال شاعری کا دلکش ترین مرقع ہے، اس کی نسبت ناقدانہ حیثیت سے کچھ کہنا آسان کام نہیں ہے۔ مجھ میں اس قدر بصیرت نہیں ہے کہ میں ان کے کلام پر شایانِ شان تبصرہ کر سکوں، اور مجھ کو بلا کسرِ نفس کے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے اور اس اعتراف حقیقت کو اپنے صحت ذوق کی دلیل سمجھتا ہوں مگر اس کو کیا کیجیے کہ حریم محبت کے آداب دنیا کے عام رسم و آئیں سے بالکل مختلف ہیں اور یہاں کسی ہدیہ نیاز کی گراں نمایگی اور ارزشِ متاع پر منحصر نہیں ہے بلکہ محض خلوصِ تہدیہ معیار رد و قبول ہے، اس بنا پر جن خیالات کا اظہار سطور ذیل میں کیا گیا ہے وہ آستانہ محبت پر محض ایک نذر اخلاص ہے۔

قبل اس کے کہ جناب اصغر کے کلام پر کچھ گزارش کی جائے یہ ضروری ہے کہ نفس شاعری پر اجمالی

حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا جائے۔ ممکن ہے کہ بعض ارباب نظر میرے ہم آہنگ نہ ہوں لیکن کم سے کم میرا ازادیہ نگاہ نکتہ سنجوں کے پیش نظر ہو جائے گا اور آئندہ مجھے تصحیح خیال کا موقع ہوگا۔ فنون لطیفہ کی تقسیم چہارگانہ میں شاعری مسلمہ طور پر سب سے بلند تر ہے، اس کی وجہ محض اس قدر ہے کہ شاعری بقیہ اصناف کی جامع محاسن ہے، اس کے علاوہ شاعری کے قلمرو میں حقائق و معارف اسرار و حکم کی غیر فانی دنیا بھی شامل ہے جہاں مصوری و موسیقی کو کوئی دسترس نہیں۔ مصور کا قلم صرف انہیں کیفیات نفسی کی تصویر کھینچ سکتا ہے جن کا اظہار عوارض جسمانی سے ممکن ہے لیکن شاعری کی نگاہ نفس انسانی کی ان گہرائیوں تک پہنچتی ہے جہاں کیف و کم کی گنجائش نہیں ہے، ایک بت تراش کی تخئیل ابعاد ثلاثہ کے حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتی مگر ایک شاعر کا تخئیل عالم قدس تک پرواز کرتا ہے اور ایک نشۂ بے کیف اور معنی بے صورت کو پیکر خیالی دے کر آپ کے پیش نظر کر سکتا ہے، ایک مغنی اپنے ترانۂ جاں نواز سے صرف روح میں انبساط پیدا کر سکتا ہے مگر ایک شاعر اپنے ترنم سے نفس ناطقہ پر بھی عالم وجد و حال طاری کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو شاعری کے عناصر حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ موسیقی

۲۔ بت تراشی یا ایجاد و تخلیق

۳۔ مصوری

۴۔ اسرار و معارف

اگر شاعری ان ارکان اربعہ کی جامع ہے تو یہ معراج شاعری ہے لیکن کم سے کم ایک دو صفات لازمی ہیں ورنہ وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے۔

موسیقی: اصطلاح شاعری میں موسیقی اس کا نام ہے کہ جس کیفیت سے متاثر ہو کر شاعر کی زبان سے ایک شعر نکلتا ہے وہ ان الفاظ میں ادا ہو جن کا تلفظ اور ترکیب باہمی اپنے نغمہ کے اعتبار سے معانی کی طرف رہبری کر سکے، مثلاً مولانا حالی نے جس موقع پر پامال نہ ہوں، تلفظ میں دشواری نہ ہو، محل استعمال میں سوقیت نہ ہو، آواز کو معانی سے مناسبت ہو، اگر سامع پر خود تنفض اور کراہت کی کیفیت پیدا کرنا مقصود نہیں ہے تو ان اشیاء یا افعال کے نام نہ ہوں جن سے ذوق انسانی فطرتاً متنفر ہے یا جس کا اظہار انسان کا ملکۂ حیا گوارا نہیں کر سکتا، اسی طرح علوم و فنون کی اصطلاحات یا اعضاء و جوارح کی تشریح بھی شاعری کی نزاکت گوارا نہیں کر سکتی۔ مثلاً: میت جنازہ ناف جذبات کشش ثقل وغیرہ۔

ترکیب الفاظ: (الف) الفاظ کی ترکیب باہمی میں اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ ان کی

حرکات وآواز ایک طرف تو کلیتاً باہم متضاد نہ ہوں تا کہ تنافر نہ پیدا ہو اور دوسری جانب اس قدر یکسانی بھی نہ ہو کہ لطفِ تنوع جاتا رہے، بلکہ پستی و بلندی سبکی وگرانی، زور ونزاکت، رقت وجزالت اس توازن وتناسب کے ساتھ باہم دگر دست وگریباں ہوں کہ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا دشوار ہو جائے، جس طرح گلاب کی پنکھڑی میں یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ کہاں رنگ ہلکا ہے اور کہاں سے شوخی شروع ہوتی ہے، تا کہ بندش میں چستی کے ساتھ ایک لطیف انبساط بھی پیدا ہو جائے اور شعر میں خرامِ جوئبار کی طرح ایک فطری مگر معتدل روانی آ جائے۔

(ب) حتی الوسع آغاز کسی ثقیل لفظ سے نہ ہو اور خاتمہ کسی منقطع اور بھدی آواز پر نہ کیا جائے مثلاً

لب گلبرگ کو موج صبا نے آ کے چھیڑا جب

ہندستان کو مخاطب کر کے یہ مصرع لکھا ہے،

تو نے اے غارتگر اقوام واکال الامم

وہاں ''اکال الامم'' کی جگہ پر مشکل سے کوئی دوسرا لفظ مل سکتا تھا جس کے تلفظ سے اسی قدر بھیانک اور ڈراؤنی تصویر متخیلہ کے سامنے آ جاتی' یا مثلاً ''من کہ ہستم کہ تا ابد بزیم'' اور ''کیستم من کہ جاودان باشم'' دونوں مصرعے بہ اعتبار ترکیب نحوی صحیح ہیں، مگر انتخاب الفاظ اور شگفتگی ترکیب کی بنا پر دونوں میں جو بعد المشرقین ہے، اس کو ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے، روح کو نغمہ سے جو فطری مناسبت ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا نے الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترکیب میں موسیقی اور ذوقِ صحیح کا لحاظ رکھا ہے وہ زندۂ جاوید ہیں، دیوان حافظ کی اس عالمگیر اور ابدی مقبولیت کا راز کیا ہے؟ محض دروبست الفاظ اور شگفتگی ترکیب کا طلسم! لیکن جہاں شاعری کے لیے یہ عنصر سب سے زیادہ ضروری ہے وہاں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ یہ چیز محض ذوقی ہے۔ اگر ایک شاعر بدو فطرت سے وجدانِ صحیح اور استعداد لطافت پسندی لے کر نہیں آیا ہے تو سعی واکتساب سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ذوق ادب کا یہ لطیف نکتہ منکر کو کسی استدلال سے منوایا جا سکتا ہے نہ اس کے اصول وضوابط مقرر کیے جا سکتے ہیں البتہ استقراءً چند باتیں یہاں گزارش کی جا سکتی ہیں۔

انتخاب الفاظ: انتخاب الفاظ میں ان امور کا لحاظ ضروری ہے، نامانوس نہ ہوں اس مصرع کے آخر میں جس کا تلفظ ذوق سامعہ کو اسی قدر گراں گزرتا ہے جس طرح کہ رات کے سناٹے میں تالاب کے کسی اونچے کنارے سے کوئی پھوا پانی میں آ رہے۔

(ج) حتی الوسع ترکیب میں ندرت ہو، مگر شگفتگی اور لطافت ہاتھ سے نہ جائے آج کل بعض

حضرات نے غالب و اقبال کی تقلید جو عربی و فارسی کی غلط اور بے معنی ترکیب بے درک و بصیرت لکھنا شروع کردی ہیں وہ اہلِ ذوق کے لیے بازاری محاوروں سے زیادہ نفرت انگیز ہیں۔

(د) محل استعمال ایسا نہ ہو کہ جس سے کوئی رکیک پہلو نکلتا ہو کیونکہ اگرچہ راہ راست اس کا کوئی تعلق موسیقی سے نہیں ہے مگر نکتہ سنج طبائع پر گراں ہوتا ہے اور موسیقی کی حلاوت میں بہت کچھ کمی پیدا ہو جاتی ہے۔

(س) ہر حالت میں لطافت ذوق اور اعتدال صحیح کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے، یہ نہ ہو کہ زور بیان چیخ کی حد تک پہنچ جائے، شکوہ الفاظ طبل بلند بانگ کا مصداق بن جائے، متانت و سنجیدگی خشکی و پژمردگی کی مرادف ہو جائے اور رنگین بیانی نسائیت اور عریانی خیال کا روپ بھر لے، شعر کا خطاب شریف ترین انسانی جذبات سے ہوتا ہے اس لیے شعر کی موسیقی بھی شریفانہ ہونی چاہیے، اراذل و اجلاف میں جس طرح کا گانا بجانا موسیقی سمجھا جاتا ہے اس کا شائستہ جماعت کے لیے موجب انبساط ہونا تو در کنار تعفن و انقباض کا باعث ہوتا ہے۔

یہاں پر ایک اور نکتہ قابل گزارش ہے کہ جس طرح موسیقی کے اصناف مختلف ہیں اسی طرح شعر کی موسیقیت بھی جدا ہوتی ہے، زمزمۂ نشاط اور نالۂ ماتم دونوں میں یکساں تاثیر کی قابلیت ہے مگر تاثر سامع کی صلاحیت و استعداد پر مبنی ہے، البتہ چونکہ انسانی زندگی بجائے خود ایک داستان مصیبت ہے اور فطرت انسانی تنوع کی طالب ہے اس لیے عام طور پر داستان غم سے انسانی طبائع کو اس قدر دلچسپی نہیں ہے جتنی ترانہ مسرت سے ہو سکتی ہے اور بہ اعتبار نتائج بھی نوحۂ ماتم فطرت انسانی کے لیے چنداں مفید نہیں ہے' کشاکش حیات میں زندہ رہنے کے لیے ہم کو رجز خوانوں کی ضرورت ہے جو طبائع میں سعی و عمل کی روح پھونک سکیں۔ دیوان حافظ کے دلنواز ترانے اور شاہنامۂ فردوسی کی رجز خوانیاں آج کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسی وجہ سے زندہ ہیں کہ خود ان میں زندگی کی روح تھی اور آہ و فغاں کی جگہ وجد و حال کی تعلیم ان کا مطمح نظر تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ جناب اصغر کی شاعری عام سطح سے بہت بلند ہے اور ان کے یہاں ڈوبی ہوئی نبضیں، پتھرائی ہوئی آنکھیں اور عالم نزع کی ہچکیاں غرضیکہ زندہ در گور شعرا کی بد مذاقیاں کہیں بھی نہیں ہیں، ان کی شاعری رقص معانی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے، آنسو کا ایک ناچیز قطرہ ان کے جوش طبیعت کے فیض سے کبھی ''ستارۂ سحری'' بن کر چمک اٹھتا ہے اور کبھی ''شوق کا بحر بے کنار'' بن جاتا ہے' اپنی شاعری کے متعلق خود ان کی تنقید بہترین تنقید ہے فرماتے ہیں۔

غزل کیا اک شرار معنوی گردش میں ہے اصغر — یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی
اصغر نشاط روح کا اک کھل گیا چمن — جنبش ہوئی جو خامۂ رنگین نگار کو
اشعار پہ اصغر کے ہے رقص رگ جاں میں — اک موج نسیم آئی کیا باغ مصلی سے

جناب اصغر کا ہر شعر بجائے خود اک نغمۂ پر کیف ہے جس کا اندازہ صرف ارباب ذوق کر سکتے ہیں ان کے کلام میں انتخاب دشوار ہے تاہم اس عنوان کے تحت مثالاً حسب ذیل اشعار ملاحظہ طلب ہیں۔

اللہ رے دیوانگی شوق کا عالم — اک رقص میں ہر ذرۂ صحرا نظر آیا
تھا لطف جنون دیدہ خونابہ فشاں سے — پھولوں سے بھرا دامن صحرا نظر آیا

☆☆☆

موج نسیم صبح کے قربان جائیے — آئی ہے بوئے زلف معنبر لیے ہوئے

☆☆☆

وہ اک دل ودماغ کی شادابی نشاط — گرنا چمک کے اف تری برق نگاہ کا

☆☆☆

سو بار جلا ہے تو یہ سو بار بنا ہے — ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے

☆☆☆

پھر ان لبوں پہ موج تبسم ہوئی عیاں — سامان رقص جوش تمنا لیے ہوئے
مجھ کو نہیں ہے تاب خلش ہائے روزگار — دل ہے نزاکت غم لیلا لیے ہوئے

☆☆☆

کوثر کی موج تھی تری ہر جنبش خرام — شاداب ہوگیا چمنستان آرزو

☆☆☆

اس سے زیادہ اور کیا شوخی نقش پا کہوں — برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز میں

☆☆☆

جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم — چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
دل جلادۂ مائل تمکین اتقا — جام شراب نرگس رسوا لیے ہوئے

اس آخری شعر کے دونوں مصرعوں کا توازن خاص طور پر ملاحظہ طلب ہے، پہلے مصرعہ میں جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ الفاظ میں متانت اور سنجیدگی کے علاوہ ایک حد تک ثقل ہوتا کہ

ایک زاہد خشک پر ابتدائی مراحل عشق میں کشاکش کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جس طرح وہ اپنی ثقاہت سابقہ کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا اظہار خود ترکیب الفاظ سے ہو سکے، لیکن دوسرے میں جس کی زاہد فریب اور توبہ شکن ادائیں دکھانی مقصود ہیں اس لیے اس کا ہر ہر لفظ اپنے ترنم کے اعتبار سے کیف و سر مستی کا اک جام سرشار ہے۔

بت تراشی

یا ایجاد و تخلیق، صنعت بت تراشی جن قوائی ذہنیہ کی رہین منت ہے وہی جب دنیائے شاعری میں برسرِ عمل ہوتے ہیں تو اسے اصطلاح بلاغت میں بہ اعتبار فرق مدارج، ندرت بیان ایجاد طرز اور خیال آفرینی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس طرح ایک بت تراش اولاً اپنے متخیلہ میں ایک صورت قائم کرتا ہے اور پھر اسی پیکر خیالی کے مطابق ایک مجسمہ گھڑتا ہے اور مجسمہ میں جس پہلو کو نمایاں کرنا، اس کا مقصود ہوتا ہے اسی کی مناسبت سے اس مجسمہ کا ایک ایک حصہ تراشتا ہے، اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف صنف کائنات سے مختلف اجزا لے کر ایک نئی قسم کا مخلوق گھڑ لیا جاتا ہے یا محض ایک مفہوم ذہنی اور کیفیت روحانی کو مجسم کر لیا جاتا ہے کبھی کبھی ایک ہی موجود واقعی کے شیون مختلفہ اور حیثیات متضادہ کو مستقل طور پر علاحدہ علاحدہ نمایاں کرنے کے لیے الگ الگ مجسمہ بنائے جاتے ہیں اور ہر بت تراش اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی معلومات مجازی بجائے خود مستقل ہوں اور باوجود وحدت فکر دوسرے نمونہ ہائے صنعت کی کورانہ تقلید نہ معلوم ہوں، شاعر کی حالت بھی بجنسہٖ یہی ہوتی ہے، علم و ادراک، تفحص و استقرا، فکر و نظر سے شاعر کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے، خواہ کسی سبب خارجی یا داعیہ باطنی کی تحریک سے اس پر کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنی استعداد فکری کے تقاضا سے اکثر اختیاری اور کبھی کبھی اضطراری طور پر اس خیال یا کیفیت کو نغمۂ موزون میں ظاہر کرتا ہے۔

یہ خیال اور کیفیت بہت شاذ طریقہ پر ممکن ہے کہ بالکل جدید ہو ورنہ عموماً وہی خیالات و واردات ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں ادا کیے جا چکے ہیں لیکن ایک شاعر اسی سابقہ خیال میں (۱) یا تو کچھ اضافہ کر کے داد ایجاد دیتا ہے (۲) یا ایک خیال کے ایک پہلو کو بدل کر اسی کا دوسرا پہلو پیش نظر کر دیتا ہے (۳) یا دو مختلف خیالات کی ترکیب و امتزاج سے ایک نیا پیکر خیالی پیدا کرتا ہے، یہ تمام صورتیں خیال آفرینی کہی جا سکتی ہیں لیکن اگر کسی پامال خیال کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر طرز ادا سے اس میں نئی روح پھونک دی ہے تو اس کو بداعت اسلوب، ندرت بیان اور طرفگی ادا سے موسوم کیا جاتا ہے، بداعت اسلوب کبھی

اظہار خیال کی ترتیب اور بیان کا پیرایہ بدل دینے سے پیدا ہوتی ہے، کبھی ندرت تشبیہات اور طرفگی استعارات سے صہبائے کہن کو نئے ساغر ومینا میں پیش کیا جاتا ہے اور کبھی کسی پرانی تصویر پر جدت کے موقلم سے ہلکا سا رنگ دے کر یا پرانے رنگ کو نئی جھلک (شیڈ) دے کر تازگی پیدا کی جاتی ہے بقول اصغرؔ

لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے　　فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے

دراصل یہی ندرت بیان شاعری کی روح ہے، ہر شعر میں بالکل نئی اور اچھوتی تخئیل پیش کرنا ناممکن ہے لیکن فرسودہ اور پامال خیالات کو دوبارہ بغیر کسی ندرت بیان کے پیش کرنا شاعر کو نقد ونظر کے محکمۂ احتساب میں ایک قابل تعزیر مجرم قرار دیتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر جدید تخئیل یا ہر نئی طرز ادا بلا کسی تخصیص کے دلفریب ہوتی ہے، تنوع بے شک پسندیدہ ہے مگر موسیقی کی طرح اس میں بھی احساس توازن اور سوسائٹی کے معیار تمدن کا لحاظ لازمی ہوگا تاکہ شاعری کی کائنات خیالی مذاق سلیم پر گراں نہ ہو۔

شعرائے ایران، میں بابائے فغانی، نظیری اور عرفی استادان ریختہ میں غالبؔ، مومنؔ اور دور حاضرہ میں اصغرؔ وفانیؔ کا کلام ندرت بیان کے لیے بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے، طبیعت چاہتی تھی کہ جن جزئیات کا احصار سطور بالا میں کیا گیا ہے ان کو مثالاً اشعار اساتذہ سے واضح کیا جاتا مگر بخوف طوالت نظر انداز کرتا ہوں۔

یہاں جناب اصغرؔ کے کلام سے ندرت بیان یا بداعت اسلوب کی چند مثالیں ہدیۂ ارباب ذوق ہیں۔

اصغرؔ صاحب کی شاعری چونکہ جامع حیثیات ہے لہذا عنوان موسیقی کی طرح اس موقع پر بھی جو اشعار نقل کیے جاتے ہیں ان میں اس حسن مخصوص کے علاوہ اور محاسن بھی ہیں مگر ندرت بیان کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اس لیے یہی سرخی ان کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

فرماتے ہیں:

مری وحشت پہ بحث آرائیاں اچھی نہیں ناصح　　بہت سے باندھ رکھے ہیں گریباں میں نے دامن میں

کیا کیا ہوا ہنگامہ جنوں یہ نہیں معلوم　　کچھ ہوش جو آیا تو گریباں نہیں دیکھا

سو بار ترا دامن، ہاتھوں میں مرے آیا　　جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے

وارفتگی شوق کے عالم میں متخیلہ جس صورت کو ہمارے سامنے محبوب بنا کر پیش کرتا ہے وہ حقیقت میں خود ہماری ہی جذبات کی کرشمہ سازی ہوتی ہے۔ ہم اس حقیقت کا احساس اس وقت کرتے ہیں جب وہ ولولہ باقی نہیں رہتا اور نگاہ بصیرت کے سامنے اسے استیلائے شوق کا حجاب اٹھ جاتا ہے، اس فلسفیانہ نکتہ کے علاوہ تصوف کا پہلو بھی اس شعر میں ہے اس دقیق فلسفہ کو جس موثر پرایہ میں ادا کیا گیا ہے وہ صرف

اصغر صاحب کا حصہ ہے۔

کچھ نہ ہم سے ہوسکا اس اضطراب شوق میں   ان کے دامن کو مگر اپنا گریباں کردیا
اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پر آشوب   فتنوں نے ترا گوشہ داماں نہیں دیکھا
غضب ہوا کہ گریباں ہے چاک ہونے کو   تمھارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری

عشق کی خستہ حالی حسن کی رسوائی ہے، اس خیال کے علاوہ وحدت حسن وعشق کا نکتہ کس لطیف انداز میں نظم ہوگیا ہے یعنی ہمارا گریباں چاک ہوا اور یہ پردہ ہٹا تو تم خود نمایاں ہو جاؤ گے۔

پھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ ادائے برق حسن   چیخ اٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھ کر

عشق کی بے سروسامانی حسن کا آئینۂ جمال ہے نکتہ رس نگاہیں مسبب میں سبب کا جلوہ دیکھ کر متاثر ہوسکتی ہیں اس خیال کو کیسے اچھوتے پرایہ میں دکھایا ہے۔

اک شعلہ اور شمع سے بڑھ کر ہے رقص میں   تم پھاڑ کر تو سینۂ پروانہ دیکھیے
اے حسن ازل اپنی اداؤں کے مزے لے   ہے سامنے آئینۂ حیران محمدؐ

توحید ورسالت کے ربط خفی کا نکتہ بلند، پاس آداب شریعت کے ساتھ حسن ذوق کی زبان سے ادا کیا گیا ہے اس کو صرف اہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں۔

اسرار حقیقت کو ایک ایک سے پوچھا ہے   ہر نغمۂ رنگین سے ہر شاہد رعنا سے

اس میں شک نہیں کہ صاحب ذوق آواز ودلاب سے مست ہوسکتا ہے لیکن اگر ذوق کے ساتھ امتیاز بھی باقی ہے تو ہم کسی فروتر یا خیف مظہر میں اس اعلیٰ حقیقت کو خود دیکھنا پسند نہیں کرسکتے بلکہ صرف نغمۂ رنگین اور شاہد رعنا کے پردہ میں شاہد حقیقت کی تلاش کرتے ہیں۔

یا زندگی تو تھی ہر موج حوادث کی   یا موت کا طالب ہوں انفاس مسیحا سے
آہوں نے میری خرمن ہستی جلادیا   کیا منہ دکھاؤں گا تری برق نظر کو میں
نیرنگی جمال کے قربان جایئے   حیران ہوں دیکھ دیکھ کے اپنی نظر کو میں

یہاں پر حسن وعشق کی نسبت ایک دوسرا نظریہ بیان کیا گیا ہے جو اشعار سابقہ سے بالکل مختلف ہے۔

رحمت حق نے بہت دیکھ لی ایمان کی بہار   اب ذرا سامنے رعنائی عصیاں کردیں
دیر کی راہ نہ ملتی ہو تو کعبہ ہی سہی   کفر جب کفر نہ بنتا ہو تو ایمان کردیں
آج خون گشتہ تمنائیں مجھے یاد آگئیں   ہر طرف ہنگامۂ جوش بہاراں دیکھ کر
مری نگاہوں نے جھک جھک کر کردیے سجدے   جہاں جہاں کہ تقاضائے حسن یار ہوا

یہ بھی فریب سے ہیں کچھ درد عاشقی کے ہم مر کے کیا کریں گے کیا کرلیا ہے جی کے
جوش شباب، نشۂ صہبا ہجوم شوق تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو
آ جا نکل کے سامنے اے شوق مست حسن میں جانتا ہوں پردۂ ابر بہار کو
پردۂ لالہ وگل بھی ہے بلا کا خونریز اب زیادہ نہ کرے حسن کو عریاں کوئی
مٹی جاتی ہے بلبل جلوۂ گلہائے رنگیں پر چھپا کر کس لیے پردوں میں برق آشیاں رکھدی
جبیں شوق لائی ہے وہاں سے داغ ناکامی یہ کیا کرتی ہے کمبخت ننگ آستاں برسوں
نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنا میں نے مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبار کارواں برسوں
محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگیں سے رہا ہوں آشیاں میں لے کے برق آشیاں برسوں
کچھ انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمہ رنگیں کہ فرط ذوق سے جھومی ہے شاخ آشیاں برسوں

صنائع بھی اسی ندرت بیان کے تحت میں آتی ہیں لیکن صنائع کا لطف یہ ہے کہ بیساختہ پن کے ساتھ ادا کی جائیں اور معنویت کا خون نہ ہو، نہ سامع پر یہ اثر پیدا ہو سکے کہ قصداً صنائع کے لحاظ سے شعر لکھا گیا ہے بلکہ یہ معلوم ہو کہ خود بخود زبان قلم سے تراوش ہوگئی ہے۔ اصغر کے یہاں اس کی مثالیں بہت ہیں یہاں پر صرف حسب ذیل اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

جوش جنوں میں چھوٹ گیا آستانِ یار روتے ہیں منہ پہ دامن صحرا لیے ہوئے
ایہام

کیجیے آج کس طرح دوڑ کے سجدہ نیاز ہوش بھی تو نہیں ہے اب پاؤں کہاں ہے سر کہاں
لف ونشر مرتب

راز کی جستجو میں مرتا ہوں اور میں خود ہوں ایک پردہ راز
ردالعجز علی الصدر

کبھی کبھی ندرت بیان پیدا کرنے کے لیے غیر ذی روح اشیاء یا کیفیات مجردہ کو ذی روح فرض کرلیا جاتا ہے مثلاً۔

تمتما اٹھے وہ عارض مری عرض شوق پر حسن جاگ اٹھا وہیں جب عشق نے فریاد کی
بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا آئی

کبھی کبھی ندرت استعارہ اور حسن ترکیب سے بھی یہ بات پیدا کی جاتی ہے مثلاً۔

دل میں اک بوند لہو کی نہیں رونا کیسا اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی

زندانیوں کو آ کے نہ چھیڑا کرے بہت جان بہار نرگس رسوا کہیں جسے
اس جلوہ گاہِ حسن میں چھایا ہے ہر طرف ایسا حجاب چشم تماشا کہیں جسے
انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبستاں کے اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ
ہے تیرے تصور سے یاں نور کی بارش یہ جان حزیں ہے کہ شبستانِ حرا ہے
اب طور پر وہ برق تجلی نہیں رہی تھرا رہا ہے شعلۂ عریاں آرزو
ہے عشق کہ محشر میں یوں مست وخراماں ہے دوزخ بگریباں ہے فردوس بداماں ہے

ندرت خیال: اس کا اظہار چونکہ کبھی مصوری کے رنگ میں ہوتا ہے اور کبھی حکیمانہ نکتہ سنجی کے انداز میں ہوتا ہے اس لیے اس طرح کے اشعار دوسرے عنوانوں کے تحت میں بھی پیش کیے جائیں گے۔

ہاں اس قدر "گزارش" اور ہے کہ خود مصوری اور بت تراشی باہم اس قدر مشابہ اور ہم جنس ہیں جن کے حدود متعین کرنا سخت دشوار ہے اور شاعری میں آ کر تو یہ فرق اور بھی نازک ہو جاتا ہے اسی طرح حکیمانہ نکتہ سنجیاں بھی چونکہ اکثر کیفیات روحانی کے مادی مظاہر سے متعلق ہوتی ہیں اور اکثر الہیات یا مابعد الطبعیات کے اسرار ورموز کو سہولت فہم کے لیے تشبیہات مادی سے ادا کیا جاتا ہے اس لیے محاسن شعریہ کے یہ مختلف پہلو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جا سکتے نہ ان کی تبویب وتفصیل کسی خاص منطقی اصول پر کی جا سکتی۔ مثال کے طور پر ندرت بیاں، رنگینی اور جوش وسرمستی یا سوز وگداز کو لیجیے۔ ان میں سے ہر انداز مصوری وبت تراشی دونوں کے تحت میں آ سکتا ہے اور ہر ایک پر ندرت بیان کا بھی اطلاق ممکن ہے مگر میں ان حیثیات چہارگانہ کو مصوری کے مختلف شعبے سمجھتا ہوں، ناظرین کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے۔

مصوری

شاعری کا ایک ضروری عنصر اور بعض ارباب فن کے خیال میں اس کی اصلی جان مصوری ہے۔ یہی میدان تخیل کا اصلی جولا نگاہ ہے اور یہیں پر ایک شاعر کو اپنے کمال فن کی سحر کاریاں دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ مصوری کے دو مدارج ہیں۔ کمال مصوری اور حسن مصوری۔

کمالِ مصوری: مصور کو تخیل کے علاوہ اپنے کمال فن کے لیے لطافت احساس، قوت مشاہدہ اور صدق اظہار کی ضرورت ہے اور یہی صفات شاعر کے لیے بھی ناگزیر ہیں۔

لطافت احساس: ایک مصور یا شاعر اگر احساس لطیف لے کر نہیں آیا اور خود اس میں تاثر و انفعال کی قابلیت نہیں ہے تو وہ دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتا۔ اسی نکتہ کو لحوظ رکھ کر یہ کہا گیا ہے کہ "انچہ از دل خیزد بر دل ریزد" اور شاعر مصور کی سطح چونکہ عام خلائق سے بالاتر ہے لہٰذا اس کے تاثر انفعال میں لطافت ضروری ہے ورنہ شعر یا تصویر میں خواہ مخواہ بھونڈا پن آ جائے گا۔

قوتِ مشاہدہ: شاعر یا مصور کی نگاہ کو عوام کی نظر سے کہیں زیادہ تیز اور نکتہ رس ہونا چاہیے تا کہ ان نازک اور لطیف جذبات و کیفیات تک اس کی دسترس ہو سکے جہاں پر نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔

صدق اظہار: شاعر یا مصور کا کمال ہے کہ جن کیفیات سے جس طرح وہ خود متاثر ہوا ہے اسی طرح اپنے مخاطب تک منتقل کرنے کی کوشش کرے تا کہ اس پر بھی وہی کیفیت طاری ہو سکے بعض طبائع شوق تنوع اور تلاش ندرت میں دنیائے حقیقت سے بالکل دور جا پڑتی ہیں اس لیے ہزار فکر کے بعد بھی ان کے نتیجہ فکر میں نہ شان واقعیت ہوتی نہ اصلیت کا رنگ ہوتا اور مخاطب میں کسی جذبہ کی تحریک نہیں ہوتی۔ تصویر میں واقعیت یعنی اصل سے مطابقت ضروری ہے لیکن دنیائے مصوری کی واقعیت یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تصویر یں اصل کی کل جزئیات ظاہر کی جائیں اس کے لیے صرف اس قدر واقعیت کافی ہے کہ جو کچھ اس نے محسوس کیا ہے اور جس خاص بات سے وہ متاثر ہوا ہے اس کو تصویر میں نمایاں کر دے اسی طرح شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے موضوع شعر کی تمام تفصیلات کا استقصا کرے یا ایک

فلسفی کی طرح اس کی مکمل تشریح پیش کرنے کی کوشش کرے، شاعر کا روئے سخن جذبات کی طرف ہوتا ہے لہذا اس کو صرف ایک تاثر انگیز پہلو دکھا کر گزر جانا چاہیے۔ بسا اوقات شاعر کا موضوع سخن ایک ایسی بے کیف و کم اور نا قابل اظہار حقیقت ہوتی ہے جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتی، وہاں شاعر کی مصوری صرف اس قدر ہے کہ اپنے موضوع شعر کی طرف دور سے ایک اشارہ کر کے مخاطب کے احساسات وادراکات کو اسی طرح مائل کر دے اور جو کچھ شاعر نے دیکھا تھا اگر ٹھیک وہی نہیں تو قریب قریب وہی چیز شاعر کے مخاطب کو بھی نظر آنے لگے گی اصغر نے کیا خوب کہا ہے۔

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدود

حسن مصوری: کمال مصوری اور حسن مصوری میں فرق یہ ہے کہ ہر کمال حسن نہیں ہے مگر ہر حسن کمال ہے، کمال مصوری یہ ہے کہ تصویر اصل کے مطابق ہو یا یوں کہیے کہ تصویر خود بول اٹھے، اس سے بحث نہیں کہ وہ تصویر کس چیز کی ہے مگر وہ اشیاء اور نفرت انگیز مناظر کی تصویر بھی اگر ہو بہو کھینچ جائے تو ایک نمونہ کمال ضرور ہے مگر حسن مصوری کے منافی ہے اسی طرح بعض اوقات مصور قصداً واقعیت کا کوئی حصہ حسن تصویر کو قائم رکھنے کے لیے حذف کر دیتا ہے مثال کی ضرورت نہیں۔

اردو شاعری میں مصوری بہت شاذ ہے اور اگر ہے بھی تو علاوہ چند مستثنیات کی حسن مصوری سے عاری ہے بعض اشعار میں جس طرح کی مصوری کی گئی ہے اس سے کسی جذبہ کو تحریک نہیں ہو سکتی بلکہ جس جذبہ کی تحریک ان کا مقصود ہو سکتا ہے وہ اگر موجود رہے بھی ہوں تو اس تصویر کے نفرت انگیز اثر سے فنا ہو جائیں، مثلاً۔

آنکھیں دکھلاتے ہو-------------------------

اس قسم کی مثالیں حسن مصوری کی صنف میں نہیں آتیں، حسن مصوری کی مثال میں نظام کی یہ غزل پیش کی جاسکتی ہے۔

انگڑائی لینے بھی وہ نہ پائے اٹھا کے ہاتھ   دیکھا مجھے تو چھوڑ دیا مسکرا کے ہاتھ
دینا وہ ان کا ساغر ِ یاد ہے نظام   منہ پھیر کر ادھر کو اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ

ان اشعار میں محض کیفیت مادی کی مصوری ہے لیکن اگر کیفیات ذہنیہ کی مصوری ہو تو اس سے بہتر چیز ہے، مثلاً۔

لیے جاتا تھا جنوں جانب صحرا ہم کو   دیکھتے جاتے تھے منہ پھیر کے گھر کی صورت
(داغ)

حسن مصوری کے لیے سلیقۂ انتخاب حسن ترکیب اور سلاست مذاق لازمی ہے۔

سلیقۂ انتخاب: سلیقۂ انتخاب سے مراد تصویر کا انتخاب ہے یعنی انھیں اشیاء کی مصوری کی جائے جن میں بجائے خود کوئی ادائے دلکش موجود ہے اور طبائع انسانی سے ان کوئی نفسہ مناسبت ہے اور پھر اس موضوع تصویر کا وہی پہلو نمایاں کیا جائے جو قابلِ اظہار ہو۔

اردو شاعری میں حسن انتخاب کی مثالیں شاذ ہیں اور اکثر تو ایسی مصوری کی گئی ہے جس سے طبیعت کارہ ہوتی ہے مثلاً۔

جو برسات میں تا درِ یار پہنچے بہانہ کیا خود گرے ہم پھسل کر

سبحان اللہ تصویر تو یہ ضرور ہے مگر کس کی؟ ایک بوالہوس، بدنصیب، اور بدمذاق انسان کی، بوالہوس اس لیے کہ خود بخود نہیں گرا بلکہ بہانہ کرتا ہے، بدنصیب اس لیے کہ دریار تک پہنچ کر بھی آستان بوسی نصیب نہیں ہوئی بلکہ کمبخت گرتا بھی ہے تو کہاں؟ کیچڑ یا کیچ میں (لفظ کی صحت کا فیصلہ حضرات دہلی و لکھنؤ فرمالیں) یا مثلاً۔

میں نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا پھر کلیجہ رکھ دیا، دل رکھ دیا، سر رکھ دیا

اس میں تفصیل سے تصویر تو پیدا ہوگئی مگر کس چیز کی؟ ایک قصاب کی دکان پیش نظر ہوگئی ملاحظہ ہو۔

پھر کلیجہ رکھ دیا- دل رکھ دیا- سر رکھ دیا

حسن ترکیب: تصویر میں جو رنگ بھرا جائے وہ نہ بہت گہرا اور شوخ ہو نہ بالکل پھیکا اور پژمردہ بلکہ ایک خفیف تموج اور تدریجی تغیر کے ساتھ شوخی و لطافت دونوں کی اس طرح آمیزش ہو کہ دونوں کے محاسن قائم اور نمایاں رہیں لیکن ایک کو دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہو جس طرح سپیدۂ سحری میں دن کی روشنی اور رات کا سکون باہم مل کر ایک عجیب و غریب سماں پیدا کر دیتا ہے اور یہ امتیاز دشوار ہوتا ہے کہ اس طباشیر صبح کی دلفریبی میں شعاع آفتاب کا حصہ زیادہ ہے یا پردۂ شب کی اس ہلکی سی تہ کا جو اب بھی روئے آفتاب پر نقاب بن کر پڑی ہوئی ہے اور چند لمحوں میں نذر تجلی ہوا چاہتی ہے مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو۔

رخ رنگین یہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی

ریعان شباب اور احساس حسن کی مجموعی اثر سے عارض گل رنگ پر جو ہلکا سا نورانی تموج ہے اس نے پیکر جمال میں بلا کی دلفریبی پیدا کر دی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا سورج کی شعاعیں پھولوں سے کھیل رہی ہیں، رنگ و نور کی اس آمیزش لطیف نے دونوں کی شان دوبالا کر دی ہے۔

ایک نکتہ اس شعر میں اور بھی قابل ملاحظہ ہے کہ کھلکھلا کر ہنسنا تو درکنار شاعر کا ذوق لطیف تبسم آشکار کو بھی محبوب کی شان خودداری کے منافی سمجھتا ہے اور محض تبسم پنہاں پر اکتفا کرتا ہے۔

سلامت مذاق ماحول سے مطابقت، سوسائٹی کے معیار تمدن اور موضوع تصویر کی حیثیت وشان کا لحاظ بھی حسن تصویر کا جزو لاینفک ہے اور اسی کو یہاں سلامتی مذاق سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً لیلی اور کوئن میری کی تصویریں اگر چہ بجائے خود بالکل مطابق اصل ہوں مگر لیلی کو صحرائے نجد میں سایہ پہنا کر موٹر میں دوڑا دینا اور کوئن میری کو اسکاٹ لینڈ کی پہاڑیوں پر محمل میں بٹھا کر جان بل کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار دے دینا کس قدر مضحکہ انگیز ہوسکتا ہے۔

عدم مطابقت ماحول سے جو بدمذاقی شعر کی مصوری میں پیدا ہو جاتی ہے اس کی مثالیں اردو شاعری میں بکثرت مل سکتی ہیں، یہ دونوں شعر نمونہ کے لیے کافی ہیں۔

نکالی مانگ انھوں نے تو میرے دل نے کہا   نکل رہی ہے سڑک یہ بلا کے آنے کی

یہاں پر سڑک کا تخیل فقدان ذوق نہیں تو کیا ہے؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں   لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جس وقت یہ حادثہ وقوع میں آیا تھا اس وقت خوش قسمتی سے کوئی فوٹو گرافر موجود نہ تھا جو جمال جاناں کی یہ دلفریب ہیئت کھینچ کر دردمندان محبت کو ہمیشہ کے لیے اس جانکاہ مرض سے نجات دلا جاتا۔

یہی درازی زلف غالبؔ کے یہاں بھی ہے مگر دیکھیے کس شان سے ادا کی گئی ہے۔

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا   اگر اس طرۂ پر پیچ وخم کا پیچ وخم نکلے

غالب احترام حسن کا انداز وداں ہے وہ یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ محبوب کے گیسو جاروب کشی کریں یا پاؤں میں الجھ کر رہ جائیں۔

یہاں ایک نکتہ اور بھی قابل لحاظ ہے کہ ایک نقاش اور ایک شاعری کی مصوری میں زمین وآسماں کا فرق ہے۔ نقاش حس باصرہ کے ذریعہ سے اپنے مخاطب سے اپیل کرتا ہے مگر شعر کی معنویت اور موسیقی باہم مل کر ایک طرف تو سامعہ کے ذریعہ سے شاعر کے احساسات کو مخاطب کی طرف منتقل کرتی ہیں اور دوسری جانب متخیلہ اس کیفیت کو مجسم کر کے نگاہ کے سامنے کر دیتا ہے اور اگر مصوری کے ساتھ اسرار ومعارف کا بھی کوئی نکتہ شعر میں ادا ہوا ہے تو نفس ناطقہ بھی متاثر ہوتا ہے اور اگر نکتہ میں ذوق عرفاں کی بھی کوئی چاشنی ہے تو انسانیت کے اس ملکوتی عنصر پر بھی عالم وجد وحال طاری ہو جاتا ہے جس کو عام طور پر روحانیت کہتے ہیں۔

یہاں پر بطور مثال جناب اصغرؔ کے کلام سے مصوری کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

قفس تک کس طرح صیاد لایا دیکھ لو جا کر　　پڑے ہوں گے ابھی کچھ بال و پر میرے نشیمن میں

حفظ آزادی کے لیے جو سعی ناکام کی گئی ہے اس کی کتنی صحیح تصویر ہے۔

رخِ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی　　شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی

ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو　　اب تو یہی زباں مرے مدعا کی ہے

دشتِ غربت کی طرف اک آہ بھر کر جست کی　　گرد کو پہروں مرے اہلِ وطن دیکھا کیے

مستی سے ترا جلوہ خود عرضِ تماشا ہے　　آشفتہ مزاجوں کا یہ کیفِ نظر دیکھا

عشق کی نگاہ شوق سے حسن پر ایک نشہ چھا جاتا ہے یہ کیف جمال محبوب کو خود جذب نظر کے لیے بے تاب کرتا ہے۔ نفسیات حسن و عشق کے اس دقیق نکتہ کی کتنی صحیح مصوری کی گئی ہے۔

یہ دیکھتا ہوں ترے زیرِ لب تبسم کو　　کہ بحرِ حسن کی اک موج بیقرار نہ ہو

قفس کی یاد میں یہ اضطرابِ دل معاذ اللہ　　کہ میں نے توڑ کر ایک ایک شاخِ آشیاں رکھ دی

افتادگانِ عشق نے سر اب تو رکھ دیا　　اٹھیں گے بھی تو نقشِ کفِ پا لیے ہوئے

کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا　　ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

اس کی نگاہ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح　　اب تک اچھل رہی ہے رگِ جانِ آرزو

روداد چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں　　جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

نہ کی کچھ لذتِ افتادگی میں اعتنا میں نے　　مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبارِ کارواں برسوں

اصغر مجھے جنوں نہیں لیکن یہ حال ہے　　گھبرا رہا ہوں دیکھ کے دیوار و در کو میں

سب مزے کر دیے خورشید قیامت نے خراب　　میری آنکھوں میں تھا اک روئے دل آرام ابھی

پھر گرمِ نوازش ہے ضو مہرِ درخشاں کی　　پھر قطرۂ شبنم میں ہنگامۂ طوفاں ہے

یہ حسن کی موجیں ہیں یا جوشِ تبسم ہے　　اس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے

رہ رہ کے چمکتی ہے وہ برقِ تبسم بھی　　لہریں سی جو اٹھتی ہیں کچھ چشمِ تمنا سے

اس عارضِ رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا　　معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی

بکھری ہوئی ہے زلف بھی اس چشمِ مست پر　　ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ دیکھتے

کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد　　تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

میری فغانِ درد پہ اس سروِ ناز کو　　ایسا سکوت ہے کہ تقاضا کہیں جسے

مجھی سے بگڑے رہتے ہیں مجھی پر ہے عتاب ان کا　　ادائیں چھپ نہیں سکتیں نوازشہائے پنہاں کی
تم دید کو کہتے ہو آئینہ ذرا دیکھو　　خود حسن نکھر آیا اس کیفِ تماشا سے
عارضِ رنگیں پہ ان کے رنگ سا کچھ آ گیا　　ان گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کردیا
لذت سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ　　ہائے وہ اتصال نازونیاز
اس جوئبار حسن سے سیراب ہے فضا　　روکو نہ اپنی لغزش مستانہ وار کو
ہم خستگانِ راہ کو راحت کہاں نصیب　　آواز کان میں ابھی بانگِ درا کی ہے

اسرار و معارف: یہاں تک وسعت آبادِ سخن کی وہ منزلیں تھیں جہاں تک دوسرے فنون لطیفہ کی رسائی ممکن ہے لیکن اس سدرالمنتہی کے آگے اسرار حکمیہ اور معارف الٰہیہ کی بزم تجلی شروع ہو جاتی ہے جہاں صرف شاعر کی تخئیل کو باریابی کا اذن مل سکتا ہے اور یہی مقام شاعری کی معراج ہے اگر ایک شاعر عالم رنگ و بو سے گذر کر فلسفۂ و حکمت کے نکتہ ہائے سربستہ مذہب کے اسرار و رموز اور مراحل سلوک و عرفان کی کیفیات مجردہ اسی ترنم، اسی جدت بیان، اور اسی حسن مصوری کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کی شاعری سحر سے گزر کر اعجاز بن جاتی ہے۔ اس طرح کے شاعر کے لیے بصیرت، تاثر اور قوت بیان تینوں کا اجتماع ضروری ہے یعنی ایک طرف تو قوت مشاہدہ اتنی تیز ہونی چاہیے کہ نہایت دقیق نکتوں تک پہنچ سکے، دوسری جانب احساس اتنا لطیف ہونا چاہیے کہ وہ غیر مادی حقائق سے بھی لذت اندوز ہو سکتا ہے اور ان دونوں مراحل کے بعد قوت بیان ایسی ہونی چاہیے کہ عرفان و ذوق کی اس مجموعی کیفیت کی تصویر ایک نئے انداز کے ساتھ شعر کے نغمۂ موزوں میں کھینچ کر دوسروں کی بھی لذت اندوز کر سکے تو یہ ایک باکمال شاعر ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نظم و شعر کا جو فرق ہے وہ یہاں بھی قائم رہتا ہے۔ نازک سے نازک نکتہ حکمت اور لطیف سے لطیف سرّ معرفت کو محض خشک طریقہ پر نظم کر دینا شاعری نہیں ہے۔ فلسفہ و حکمت یا نفسیات و تصوف کی مصطلحات کا بے ضرورت بار بار اعادہ بھی شعر میں یہ کیفیتیں پیدا نہیں کر سکتا بلکہ کمال شاعری یہ ہے کہ حقائق و معارف کو گل و بلبل کی زبان اور بادۂ و ساغر کے رنگ میں پیش کیا جائے بقول حضرت اصغر۔

پھر آج جوشِ سرّ حقیقت ہے موجزن　　کچھ پردہ ہائے ساغر و مینا لیے ہوئے

یہاں پر مختصراً اسرار و معارف کے چند نمونے کلام اصغر سے پیش کیے جاتے ہیں اور بعض جگہ ان کے مطالب کی طرف ایک خفیف سا اشارہ بھی کر دیا جائے گا۔

اب تک تمام فکر ونظر پر محیط ہے　　شکلِ صفات معنی اشیا کہیں جسے

یہی خیال اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

جس پہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب　　بے خودی نے اب اسے محسوس وعریاں کردیا
پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا　　جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا
نظارہ بھی اب گم ہے بے خود ہے تماشائی　　اب کون کہے اس کو جلوہ نظر آتا ہے
تری نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہے مرا　　کمال ہوش کہوں یا کمال بے خبری

ایک طالب جلوۂ ذات کے لیے یہ صفات بھی پردہ ہیں اسی لیے اہل بصیرت علم وعرفان اس کو کہتے ہیں کہ انسان کے تمام ادراکات واحساسات پر جمالِ دوست کا استیلا ہو۔ ناظر ومنظور، ذات وصفات کا فرق مٹ جائے اسی مقام کو اصطلاح سلوک میں فنا کہتے ہیں۔

تھیں خود نمودِ حسن میں شامیں حجاب کی　　مجھ کو خبر رہی نہ رخ بے نقاب کی

جس طرح کمال بے خبری ہی اصل علم وعرفان ہے۔ اسی طرح کمال ظہور بھی عین حجاب ہے۔ اس حقیقت کی کتنی دل کش مصوری اس شعر میں کی گئی ہے۔ اس فلسفہ کے متعلق جناب اصغر کی ایک نظم "سرّ فنا" ہے جو غالبًا اپنی جامعیت کمال کے لحاظ سے زبان اردو میں بے مثل ہے ارباب ذوق دیوان میں ملاحظہ فرمالیں، یہ حقیقت ان اشعار میں بھی نمایاں کی گئی ہے۔

پردۂ حرماں میں آخر کون ہے اس کے سوا　　اے خوشا دورے کہ نزدیکی بھی ہے دوری بھی ہے
حسرت ناکام میری کام سے غافل نہیں　　اک طریق جستجو یہ درد مجبوری بھی ہے
میں تو ان مجوبیوں پر بھی سراپا دید ہوں　　اس کے جلوہ کی ادا اک شانِ مستوری بھی ہے
میری محرومی کے اندر سے یہ دی اس نے صدا　　قرب کی راہوں میں میرے اداک دوری بھی ہے

فلسفہ حسن وعشق: حسن وعشق کے ربط باہمی کی نسبت مختلف نظریے ہیں، بعض کے نزدیک حسن فی نفسہ کوئی چیز نہیں، خود ہمارا ذوق نظر اور ہماری بے تابی شوق ایک چیز کو ہماری نگاہ میں محبوب بنادیتی ہے۔ یعنی بہ الفاظ دیگر عشق خالق حسن ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اصل حقیقت محض حسن ہے اور حسن کا تقاضا ہے، ظہور وخود نمائی اور یہ تقاضائے عشق کا محرک اور خالق ہے، مذہب کی اصطلاح میں اسی کو توفیق کہتے ہیں۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حسن وعشق دونوں اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہستیاں ہیں مگر ہر شخص کا معیار حسن فطری طور پر مختلف ہوتا ہے اور فطرت اپنے معیار پسند کی جستجو میں رہتی ہے اور جب اتفاق سے وہی چیز آجاتی ہے تو دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھتی ہیں اور اسی تطابق حسن وعشق سے دونوں

کا فطری رنگ نکھر آتا ہے۔ چوتھا نظریہ یہ ہے کہ تمام کائناتِ عالم چونکہ محض ایک حسنِ ازل کا پرتو ہے لہذا حسن و عشق کی حقیقت ایک ہے، شانیں مختلف ہیں' حضرت اصغر کے کلام سے ہر نظریہ کے متعلق مثالاً یہاں چند اشعار پیش کر دیے جاتے ہیں، جس سے ان کے کمالِ فن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلا نظریہ:

تھیں نگاہ شوق کی رنگینیاں چھائی ہوئی　　پردۂ محمل اٹھا تو صاحبِ محمل نہ تھا
اس میں وہی ہیں یا مرا حسنِ خیال ہے　　دیکھوں اٹھا کے پردۂ ایوانِ آرزو
میرے مذاقِ شوق کا اس میں بھرا ہے رنگ　　میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویرِ یار کو
جبینِ شوق کی شوریدگی کو کیا کہیے　　وگرنہ عشوہ طرازی نقشِ پا معلوم
ستم جو چاہے کرے مجھ پہ ذوق عکسِ نظر　　بساطِ آئینہ حسن خود نما معلوم
وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں　　سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے

دوسرا نظریہ:

پھر گرم نوازش ہے ضو مہر درخشاں کی　　پھر قطرۂ شبنم میں ہنگامۂ طوفاں ہے
اک غنچۂ افسردہ یہ دل کی حقیقت تھی　　یہ موجزنی خون کی رنگینیِ پیکاں ہے

تیسرا نظریہ:

ایسا بھی ایک جلوہ تھا اس میں چھپا ہوا　　اس رخ پہ دیکھتا ہوں میں اپنی نظر کو میں
نگاہ شوق کو یارا ے سیرِ دید نہ ہو　　جو ساتھ ساتھ تجلیِ حسنِ یار نہ ہو
مستی سے ترا جلوہ خود عرضِ تماشا ہے　　آشفتہ نگاہوں کا یہ کیفِ نظر دیکھا
مجنوں کی نظر میں بھی شاید کوئی لیلیٰ ہے　　ایک ایک بگولے کو دیوانہ بنا آئی

چوتھا نظریہ وہی ہے جس کو اصطلاحِ سلوک میں وحدت الوجود کہتے ہیں۔

وحدت الوجود کا مسئلہ قدما سے لے کر آج تک تمام شعرائے باکمال کا موضوعِ سخن رہا ہے، اس پامال مضمون پر ندرتِ بیان سے اصغر نے وہ سحر کاریاں کی ہیں جن کی مثال موجودہ شاعری میں تلاش کرنا سعیِ لاحاصل ہے۔

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے　　پردہ پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
لو شمعِ حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے　　فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے
اے پردہ نشیں ضد کیا ہے چشمِ تمنا کو　　تو دفترِ گل میں بھی رسوا نظر آتا ہے

کس طرح حسن دوست ہے بے پردہ آشکار صدہا حجاب صورت ومعنی لیے ہوئے
کچھ غنیمت ہوگئے یہ پردہائے آب ورنگ حسن کو یوں کون رہ سکتا تھا عریاں دیکھ کر
بند ہو آنکھ اٹھے منظر فطرت کا حجاب لاؤ اک شاہد مستور کو عریاں کردیں

فلسفہ سکر: عمل وہ چیز ہے جو قصد وارادہ سے ظہور میں آئے۔ ارادہ کے لیے اختیار ضروری اور اختیار کے لیے ادعائے خودی لازم، اور عبادات کی اصل روح عبدیت اور محویت ہے لہذا اعمال وعبادات سے ذوق وسرمستی کا درجہ بلند تر ہے۔

تھی ہر عمل میں دعوی ہستی کی معصیت مستوں نے اور راہ نکالی ثواب کی

سکر وصحو کا نقطۂ اعتدال:

بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا

بلند نظری:

نہ ہوگا مستی بے مدعا کا رازداں برسوں وہ زاہد جو رہا سرگشتۂ سود وزیاں برسوں
کچھ اور ہی فضا دل بے مدعا کی ہے دیکھا ہے روز وصل وشب انتظار کو
کیا درد ہجر اور یہ کیا لذت وصال اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے
یہ دین وہ دنیا ہے یہ کعبہ وہ بتخانہ ایک اور قدم بڑھ کر اے ہمت مردانہ

اسلام عین فطرت ہے: اسلام کے معنی ہیں تفویض، یعنی اپنے تمام ارادات، حرکات، سکنات غرض کہ اپنی تمام ہستی کو رضائے الہی کے تابع کر دینا اور یہ ظاہر ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی احکام قدرت یعنی قوانین فطرت سے مجال سرتابی نہیں رکھتا۔ اس طرح پر تمام موجودات عالم مسلم ہیں، فرق ہے صرف اختیار واضطراب کا ایک دہری گو بظاہر خدا کا منکر ہے مگر اس کی فطرت انکار نہیں کرسکتی۔ اسی کی طرف قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ **افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً،** اس نکتہ کو اصغر اپنی زبان میں بیان فرماتے ہیں۔

مرا وجود ہی خود انقیاد واطاعت ہے کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبین سجود
جینا بھی آگیا ہے مجھے مرنا بھی آگیا پہچاننے لگا ہوں تمھاری نظر کو میں

فلسفۂ سکوت: دنیائے خاموشی میں تخیل کی ساری فضائے بسیط آجاتی ہے، لیکن تکلم اس بحر بیکنار کو محدود کر دیتا ہے۔

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہوگیا محدود

نج حسن تعیّں سے ظاہر ہو کہ باطن ہو   یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے

پیامِ حیات:

کسب حیات تو تری ہر ہرادا سے ہے   مرنا پسندِ خاطر اربابِ جاں نہیں
اک جہد وکشاکش ہے ہستی جسے کہتے ہیں   کنار کا مٹ جانا خود مرگِ مسلماں ہے
ایک ایک نفس میں ہے صدمرگ بلا مضمر   جینا ہے بہت مشکل مرنا بہت آساں ہے

ذوقِ طلب:

اٹھا ہے درد رگِ جاں سے تشنۂ نشتر   مجھے ہے آج تلاشِ کمال چارہ گری
مضرابِ محبت سے اک زخمۂ لاہوتی   پھر موج ترنم سے بیتاب رگ جاں ہے

فلسفۂ استعداد:

گم صاحب تمکین ہے افسانہ محفل میں   مجنوں کو وہی لیکن پیغام بیاباں ہے

عزم واستقلال:

افتادگانِ عشق نے سر اب تو رکھ دیا   اٹھیں گے بھی تو نقش کف پا لیے ہوئے

انتہائے سوز وگداز کے ساتھ انتہائی استغنا۔

نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنا میں نے   مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبار کارواں برسوں

ایک بلند مرتبہ ہستی ماحول کی تابع نہیں ہوتی بلکہ اپنا ماحول خود پیدا کر لیتی ہے۔

نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظ ناداں   ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھ دی
رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے   جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ ہے

یہاں تک شعر کے اجزائے چہارگانہ کی نسبت چند اجمالی اشارات تھے، اگر کسی شاعر کے کلام میں یہ تمام اوصاف یکجا ہوں تو یہ معراج شاعری ہے مگر جس طرح عناصر کے قوام وترکیب سے جو مزاج پیدا ہوتا ہے وہ ہر ذی روح میں مختلف ہوتا ہے، اسی طرح ہر شاعر کا نمونہ کلام بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف رنگ سے ان کے مدارج کمال میں فرق پیدا نہیں ہوتا بشرطیکہ رنگ خود سفیہانہ اور مبتذل نہ ہو، جس طرح کسی پہاڑ کی چوٹی سے آبشار کی وسیع چادر کا مرغزار کے دامن میں زور وشور سے گرنا اور اس پر آفتاب کی کرنوں سے عالم نور پیدا ہو جانا بجائے خود ایک حسن مستقل ہے۔ اسی طرح سرو کی دورویہ قطاروں کے درمیان سے ایک خفیف ترنم کے ساتھ جوئے رواں کا بل کھا کر نکلنا اپنی جگہ پر اک نغمۂ رنگین ہے۔ اگر پھول کی پنکھڑی پر آفتاب صبح کی دوشیزہ شعاعوں کا رقص دلآویز ہے تو دامن صحرا میں طاؤس طناز

کا عالم بے خودی میں ناچنا کچھ کم نشاط انگیز نہیں، اسی طرح سنائیؔ اور مولانا رومؔ، فردوسیؔ و نظامیؔ، سعدیؔ و حافظؔ، نظیریؔ و عرفیؔ سب کے سب اپنی اپنی قلمرو کے شہنشاہ ہیں لیکن ہر ایک کا طغرائے شاہی مختلف ہے، دور کیوں جائیے اردو کے موجودہ شعرا میں قومی رجز خوانی کی حیثیت سے ڈاکٹر اقبالؔ اور پاکیزہ تغزل میں اصغر و فانی اپنی اپنی جگہ پر بے مثل ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا رنگ جدا ہے۔

شاعری در حقیقت خود شاعر کی باطنی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہے، جس میں شاعر کے تمام خد و خال صاف طور پر نمایاں ہوتے ہیں بقول اصغرؔ۔

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا   اشعار میں سنتے ہیں، کچھ کچھ وہ نمایاں ہے

جناب اصغر فطرۃً شدید الاحساس، بلند نظر اور صاحب وجد و حال ہیں۔ اس لیے ان کا ایک ایک شعر بلندی خیال، شکوہ الفاظ، رقص ترکیب، جوش بیان اور ندرت ادا کا ایک دلفریب طلسم ہے، اسرار و معارف ان کی شاعری کا ہیولیٰ وجد و حال اس کی روح، ندرت ادا اس کی صورت اور جوش بیان اس کا رنگ ہے مثلاً اشعار ذیل ملاحظہ طلب ہیں۔

کیا فیض بخشیاں ہیں رخ بے نقاب کی   ذروں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی

سرگرم تجلی ہو اے جلوۂ جانانہ   اڑ جائے دھواں بن کر کعبہ ہو کہ بت خانہ

انوار کی بارش ہو، اسرار کی ریزش ہو   ساغر کو جو ٹکرادوں اس گنبد مینا سے

خرمن گل سے لپٹ کر وہیں مرجانا تھا   اب کرے کیوں گلۂ تنگی داماں کوئی

لذت سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ   ہائے وہ اتصال ناز و نیاز

قلب پر اب تک برتی ہے شعاع برق طور   خون کے قطروں میں اب تک رقص منصوری بھی ہے

نام ان کا آگیا کہیں ہنگام باز پرس   ہم تھے کہ اڑ گئے صف محشر لیے ہوئے

شوق سے ہے ہر رگ جاں جست میں   لے اڑے گی بوئے پیراہن کہاں

حقیقت یہ ہے کہ غالب و مومن نے اساتذہ ایران کے تتبع اور اپنی زور طبیعت سے اردو شاعری میں جو دو نئے باب اضافہ کیے تھے وہ محض نقش اول تھے۔ جناب اصغرؔ، حکیم مومن خاں کے سلسلہ تلامذہ میں ہیں اور غالب کے شیدائیوں میں اور خوش قسمتی سے بادہ عرفان کے ذوق شناس بھی ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری میں حکیم مومن خاں کی بداعت اسلوب اور شگفتگی ترکیب اور غالب کا زور بیان اور نکتہ آفرینی شیر و شکر ہو کر ایک نئی صورت میں جلوہ گر ہوئے ہیں جس میں تصوف و عرفان نے تاثیر کی روح پھونک دی ہے' ان کی شاعری چونکہ نقش ثانی ہے اس لیے نقش اول کی خامیوں سے پاک ہے، اس حیثیت سے اگر ان کو

ایک طرز خاص کا موجد کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

جناب اصغر کا مجموعہ کلام اردو کی دنیائے نظم میں بہترین شاہکار ادب ہے۔ جو ہر حیثیت سے اس کا مستحق ہے کہ یونیورسٹی کے اعلیٰ مدارج میں داخل نصاب ہو مگر اس کو کیا کیا جائے کہ مردہ پرستی اور کورانہ تقلید کا مرض عوام سے گزر کر خواص تک میں سرایت کر چکا ہے اور کسی زندہ اہل قلم کو جو اشتہاری دوافروشوں کی طرح تاجرانہ زندگی کا خوگر نہ ہو معصروں سے خراج تحسین یا ارباب مناصب سے اعتراف کمال کی توقع رکھنا محض فضول ہے۔

غزلیات اصغر کی سب سے بڑی خصوصیت معیار اخلاق کی بلندی ہے آپ کو تلاش سے بھی ایک شعر کلام اصغر میں ایسا نہیں مل سکتا جو اعلیٰ ترین معیار تہذیب سے فروتر ہو۔

حسن و عشق، وصل و ہجر، سوز و گداز، حسرت و یاس، جوش و وارفتگی، مسرت و انبساط غرض کہ ہر طرح کے جذبات نظم کیے گئے ہیں لیکن کہیں بھی سفیہانہ شوخی، عامیانہ ابتذال غلامانہ دناءت اور منافقانہ تصنع کا شائبہ تک نہیں اور میرے نزدیک افادیت شاعری کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ اس سے متجاوز ہونے کے بعد شاعر ''واعظ'' بن جاتا ہے۔ موجودہ دور سے کچھ پیشتر شاعری کی نسبت جو نظریہ تھا اس نے شعرا کو تمام اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا تھا، بڑے بڑے ''علماء و زہاد'' اس خرابات میں آ کرناچنا فخر سمجھتے تھے۔ اس قابل نفرت بے اعتدالی نے ردعمل پیدا کیا اور اب موجودہ دور میں یہ نظریہ بالکل بدل گیا ہے۔ یہاں تک کہ اب بعض ارباب نظر کی رائے میں ہر شاعر کا ایک مخصوص صحیفہ ایک مستقل مذہب، ایک خاص وحی یا پیام ہونا چاہیے جو اس کے تمام فکر و عمل کا محور ہو یعنی بہ الفاظ دیگر ہر شاعر کو ایک مختصر سا نبی ہونا چاہیے میرے نزدیک یہ تفریط بھی گزشتہ افراط کا لازمی نتیجہ ہے اور جس طرح پہلا نظریہ مرکز اعتدال سے متجاوز تھا اسی طرح موجودہ نظریہ بھی صحیح نہیں۔

شاعری ایک فن لطیف ہے جس کا تعلق محض حسیات و جذبات سے ہے، ایک شاعر کی زبان سے حالت تاثر میں جو نغمے نکل جاتے ہیں وہ خود اس کی قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ خارج میں اس کے نتائج کیا مرتب ہوں گے کسی مقصد خارجی کو پیش نظر رکھ کر شعر کہنا خود مفہوم شعر کے منافی ہے، ایک بلبل ہزار داستان کو کیا خبر، کہ عطار اس کے محبوب کا شربت درد بنا کر دام کھرے کرتے ہیں۔ وہ تو محض عارض گل کے رنگ و لطافت کی شیدائی ہے اور صرف ذوق نظر اور نغمہ رنگیں اس کا انتہائی نصب العین ہے، خالق باری اور زینت الخیل کے کارآمد ہونے میں کس کو شبہ ہے مگر کیا یہ شاعری ہے؟ دیوان داغ اور زہر عشق کی سمیت اخلاق سے کون انکار کر سکتا ہے مگر کیا یہ صحیح نہیں کہ جہاں

تک نفس شاعری کا تعلق ہے اردو زبان میں دونوں بے مثل ہیں، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں اس طرح کی شاعری کو اچھا سمجھتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ رنگین سانپ محض عجائب خانوں کی زیب و زینت ہو سکتے ہیں، آستین میں پالنے کی چیز نہیں ہیں، مقصد صرف یہ ہے کہ شاعری اگر اور حیثیات سے کامل ہو اور ساتھ ہی مخرب اخلاق نہ ہو، بلکہ ضمناً بلندی اخلاق کی روح اس میں موجود ہو تو کمال شاعری کے لیے اس قدر کافی ہوگا۔ کسی مستقل مسئلہ کی تعلیم کمال شاعری کا جزو لازمی نہیں ہے البتہ اگر خود شاعر کسی قومی؛ مذہبی ملکی یا اخلاقی ولولہ سے سرشار ہے تو لازمی طور پر اس کی شاعری میں یہ رنگ نمایاں ہوگا۔

نفس شاعری کی نسبت عموماً اور کلام اصغر کے متعلق خصوصاً جو میری ناچیز رائے تھی اس کا ایک اجمالی خاکہ سطور بالا میں پیش کر دیا گیا ہے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں کہ نکتہ نجوں کی اصطلاح میں پرگوئی اور یادہ گوئی مرادف الفاظ ہیں۔ میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ اصغر کے مختصر اور منتخب مجموعہ کلام پر جو در حقیقت عطر شاعری ہے اس قدر طویل الذیل تبصرہ سخت ممل اور بے جوڑ معلوم ہوگا مگر آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی جانب سے انتہائی ضبط و ایثار کی کوشش کی ہے اور بہت سے مباحث کو تشنہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہوں (بہرحال مجھے امید ہے کہ معنویت کی کمی بہت کچھ زیادہ الفاظ کی تلافی کر دے گی) پھر بھی آخر میں اعتذاراً یہ کہہ کر رخصت ہوتا ہوں۔ "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"۔

اقبال احمد سہیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جزاینکہ لطف خلشہائے نالۂ بے سود

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سود

کہو یہ عشق سے چھیڑے تو ساز ہستی کو
ہر ایک پردہ میں ہے نغمۂ "ہوالموجود"

یہ کون سامنے ہے؟ صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگیٔ طلسم نمود

اگر خموش رہوں میں، تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا، کہ ترا حسن ہو گیا محدود

جو عرض ہے، اسے اشعار کیوں مرے کہیے
اچھل رہے ہیں جگر پارہ ہائے خوں آلود

نہ میرے ذوق طلب کو ہے مدعا سے غرض
نہ گام شوق کو پروائے منزلِ مقصود

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے
میں بےخبر ہوں باندازۂ فریب شہود

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے
کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

ہلائے عشق نہ یوں کائنات عالم کو
یہ ذرّے دے نہ اٹھیں سب شرار لامقصود

جو اڑ کے شوق میں یوں محوِ آفتاب ہوا
عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرۂ بے بود

جلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہل شریعت جبیں کو اذنِ سجود

وہ راز خلقت ہستی، وہ معنی کونین
وہ جان حسن ازل، وہ بہار صبح وجود

وہ آفتاب حرم، نازنینِ کنج حرا
وہ دل کا نور، وہ اربابِ درد کا مقصود

وہ سرور دوجہاں، وہ محمد عربیؐ
یہ روح اعظم وپاکش درود نامحدود

ضیائے حسن کا ادنی سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب وبزم شہود

نگاہِ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا
چھپا ہے خنجر ابرو میں رمز 'لاموجود'

وہ مست شاہد رعنا، نگاہ سحر طراز　　وہ جام نیم شبی نرگس خمار آلود
کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا　　ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہر مقصود
ذرا خبر نہ رہی ہوش وعقل وایماں کی　　یہ شعر پڑھ کے وہیں ڈال دی جبین سجود

"چو بعد خاک شدن یا زیاں بود یا سود
بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بود"

(مولانا رومی)

”بے خبری“

ہزار جامہ دری صد ہزار بخیہ گری   تمام شورش و تمکیں نثار بے خبری

☆☆☆

سکونِ سوزشِ پنہاں ہے شغل جامہ دری   قرار سینۂ سوزاں ہے نالۂ سحری
مزاجِ عشق بہت معتدل ہے ان روزوں   جگر میں آگ دہکتی ہے آنکھ میں ہے تری
یہ ڈر ہے ہر بُنِ مو اب لہو نہ دے نکلے   کچھ ایسے زور پہ ہے آج کاوشِ جگری
جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم   چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
اٹھا ہے درد رگِ جاں ہے تشنۂ نشتر   مجھے ہے آج تلاشِ کمال چارہ گری
نگاہِ ناز کی کیفیتیں ہیں دل میں وہی   کہ روح تن میں ہو شیشہ میں جس طرح ہو پری
تری نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہے مرا   کمالِ ہوش کہوں یا کمالِ بے خبری
غضب ہوا کہ گریباں ہے چاک ہونے کو   تمھارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری
کہیں ہے عشق کہیں ہے کشش کہیں حرکت   بھرا ہے خامۂ فطرت میں رنگ فتنہ گری
محال تھا کوئی ہوتا یہاں سوا تیرے   یہ کل جہان ہے منت پذیرِ کم نظری
وہ ہر عیاں میں نہاں ہے وہ ہر نہاں میں عیاں   عجیب طرزِ حجاب و عجیب جلوہ گری
کچھ اس طرح ہوئیں عاجز نوازیاں اس کی   کہ میری آہ کو ہے اب تلاشِ بے اثری
نزولِ پیکرِ خاکی پہ روحِ اعظم کا   زہے کمالِ سرافگندگی و بے ہنری
کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز   کہ جرعہ جرعہ ہے موجِ ترنمِ سحری
اس آستاں سے اٹھائی نہ پھر جبیں میں نے   حرم میں سجدۂ پیہم تھی ایک دردِ سری
چھپی ہے نیم نگاہی میں روحِ بے تابی   ملی ہے حسنِ تبسم کو ریزشِ شرری
نہ جانیے مری بگڑی ہوئی اداؤں پر   کہ عاشقی میں مرے حسن کی ہے جلوہ گری

جو شوخیوں سے لیا ہے جمال بے تابی　　تو جوشِ حُسن سے پائی ادائے جامہ دری
لیے ہیں زلف سے آشفتگی کے کل انداز　　نگاہ مست سے پہنچا ہے حُسن بے خبری
خموش اصغر بیہودہ کوش و ہرزہ سرا　　کہ حسن و عشق کی اچھی نہیں ہے پردہ دری
بگوش ہوش شنو پند حافظِ شیراز　　چہ نکتہ ایست بہ طرز ترنم شکری

"ز ہر خبر کہ شنیدی رہے بہ حیرت داشت
ازیں سپس من و ساقی و وضع بے خبری"

سرِّ فنا

رہا نہ دل میں وہ احساسِ مدعا باقی — نہ روح میں ہے وہ بیتابیِ دعا باقی
وہ لب پہ شوق وطلب کی حلاوتیں نہ رہیں — نہ وہ کلام میں رنگینیِ ادا باقی
فسانۂ شبِ ہجراں کی لذتیں نہ رہیں — نہ اب ذرا ہوسِ ظلمِ ناروا باقی
شرارتیں نگہِ شوق کی ہوئیں رخصت — رہا نہ ولولۂ آہِ نارسا باقی
دلِ حزیں میں تڑپنے کی وہ سکت نہ رہی — نہ تارِ اشک کا اب کوئی سلسلہ باقی
کھٹک کہیں نہ رہی دردِ جاں نواز کی اب — نہ وہ لطیف خلش دل میں اب ذرا باقی
غضب تو یہ ہے کہ سازِ عاشقی خاموش — نہ گفتگو کوئی باقی نہ ماجرا باقی
نہ اب وہ عرضِ مطالب میں شوخیِ عنوان — نہ اب وہ شوق کی نیرنگیِ ادا باقی
رہی نہ وصل کی لذت نہ ہجر کی کلفت — دوائے درد نہ اب دردِ بے دوا باقی
یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا — کہ اب نگاہ میں عبرت نہیں ذرا باقی
نہ اب وہ ذوقِ عبادت کی سعیِ لاحاصل — نہ اب وہ لذتِ عصیاں کا ولولہ باقی
نہ وہ بیاضِ حقیقت پہ نقش آرائی — خیال میں نہ رہا رنگِ ماسوا باقی
بڑا غضب یہ دلِ شعلہ آرزو نے کیا — کہ مدعی کا پتہ ہے نہ مدعا باقی
رہا نہ تارِ رگِ جاں میں ارتعاشِ خفی — نہ اب وہ نغمۂ بے لفظ و بے صدا باقی
خبر نہیں ہے کہ کیا حال ہے کہاں ہوں میں — بقا کا ہوش نہ اب مستیِ فنا باقی
جو سب لیا ہے تو یہ سوز وساز بھی لے لے — یہی رہا ہے کہ اب امتیاز بھی لے لے
مگر یہ دل میں جو شعلہ سا تھرتھراتا ہے — نگاہِ لطف کا شاید ہے آسرا باقی
جو کچھ نہیں نہ سہی دل تو خون ہوتا ہے — کہ عشق کی ہے ابھی شانِ ارتقا باقی

مزہ الم میں ہے کچھ لطف خستگی میں ہے
غرضکہ نشو و نما روح کی اسی میں ہے

غزلیات

ادنیٰ سایہ حیرت کا کرشمہ نظر آیا   جو تھا پس پردہ سرِ پردہ وہ نظر آیا

☆☆☆

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا   جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا
اللہ رے دیوانگیِ شوق کا عالم   اک رقص میں ہر ذرۂ صحرا نظر آیا
اٹھے عجب انداز سے وہ جوش غضب میں   چڑھتا ہوا اک حُسن کا دریا نظر آیا
کس درجہ ترا حسن بھی آشوبِ جہاں ہے   جس ذرے کو دیکھا وہ تڑپتا نظر آیا
اب خود ترا جلوہ جو دکھاوے وہ دکھادے   یہ دیدۂ بینا تو تماشا نظر آیا
تھا لطف جنون دیدۂ خونابہ فشاں سے   پھولوں سے بھرا دامنِ صحرا نظر آیا

☆☆☆

دل نثارِ مصطفٰے جاں پائمال مصطفٰے   یہ اویس مصطفٰے ہے وہ بلالِ مصطفٰے
دونوں عالم تھے مرے حرفِ دعا میں غرق و محو   میں خدا سے کررہا تھا جب سوالِ مصطفٰے
سب سمجھتے ہیں اسے شمع شبستانِ حرا   نور ہے کونین کا لیکن جمالِ مصطفٰے
عالم ناسوت میں اور عالم لاہوت میں   کوندتی ہے ہر طرف برق جمالِ مصطفٰے
عظمتِ تنزیہہ دیکھی شوکتِ تشبیہ بھی   ایک حال مصطفٰے ہے ایک قالِ مصطفٰے
دیکھیے کیا حال کر ڈالے شب یلدائے غم   ہائے نظر آئے ذرا صبح جمالِ مصطفٰے
ذرہ ذرہ عالم ہستی کا روشن ہوگیا   اللہ اللہ شوکت وشان جمالِ مصطفٰے

☆☆☆

خوب دن تھے ابتدائے عشق کے   اب دماغ نالہ و شیون کہاں
اس رخ رنگیں سے آنکھیں سینکیے   ڈھونڈیے اب آتشِ ایمن کہاں
سارے عالم میں کیا تجھ کو تلاش   تو ہی بتلا ہے رگِ گردن کہاں
خوب تھا صحرا پر اے ذوقِ جنوں   پھاڑنے کو نت نئے دامن کہاں
شوق سے ہے ہر رگِ جاں جست میں   لے اڑے گی بوئے پیراہن کہاں

☆☆☆

حیران ہے زاہد مری مستانہ ادا سے   سو راہ طریقت کھلی اک لغزشِ پا سے
اک صورتِ افتادگی نقش نما ہوں   اب راہ سے مطلب نہ مجھے راہ نما سے
میخانہ کی اک روح مجھے کھینچ کے دیدی   کیا کردیا ساقی نگہ ہوش ربا سے

☆☆☆

فتنہ سامانیوں کو خو نہ کرے   مختصر یہ کہ آرزو نہ کرے
پہلے ہستی کی ہے تلاش ضرور   پھر جو گم ہو تو جستجو نہ کرے
ماورائے سخن بھی ہے کچھ بات   بات یہ ہے کہ گفتگو نہ کرے

☆☆☆

وہ اک دل و دماغ کی شادابیٔ نشاط   گرنا چمک کے اف تری برقِ نگاہ کا
وہ لذتِ الم کا جو خوگر سمجھ گئے   اب ظلم مجھ پہ ہے ستم گاہ گاہ کا
شیشے میں موج سے کو یہ کیا دیکھتے ہیں آپ   اس میں جواب ہے اس برقِ نگاہ کا

☆☆☆

عشق ہی سعی مری عشق ہی حاصل میرا   یہی منزل ہے یہی جادۂ منزل میرا
یوں اڑائے لیے جاتا ہے مجھے دل میرا   ساتھ دیتا نہیں اب جادۂ منزل میرا
اور آجائے نہ زندانی وحشت کوئی   ہے جنوں خیز بہت شور سلاسل میرا

میں سراپا ہوں تمنا ہمہ تن درد ہوں میں ہربن مو میں تڑپتا ہے مرے دل میرا
داستاں ان کی اداؤں کی ہے رنگیں لیکن اس میں کچھ خون تمنا بھی ہے شامل میرا
بے نیازی کو تری کچھ بھی پذیرانہ ہوا شکر اخلاص مرا شکوۂ باطل میرا

☆☆☆

ہے ایک ہی جلوہ جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی آئینہ بھی حیران ہے آئینہ گر بھی
ہو نور پہ کچھ اور ہی اک نور کا عالم اس رخ پہ جو چھا جائے مرا کیف نظر بھی
تھا حاصلِ نظارہ فقط ایک تحیر جلوے کو کہے کون کہ اب گم ہے نظر بھی

☆☆☆

مستی میں فروغ رخ جاناں نہیں دیکھا سنتے ہیں بہار آئی گلستاں نہیں دیکھا
زاہد نے مرا حاصل ایماں نہیں دیکھا رخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا
آئے تھے سبھی طرح کے جلوے مرے آگے میں نے مگر اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا
اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پُرآشوب فتنوں نے ترا گوشۂ داماں نہیں دیکھا
ہر حال میں بس پیش نظر ہے وہی صورت میں نے کبھی روئے شب ہجراں نہیں دیکھا
کچھ دعوی تمکیں میں ہے معذور بھی زاہد مستی میں تجھے چاک گریباں نہیں دیکھا
روداد چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا
کیا کیا ہوا ہنگامہ جنوں یہ نہیں معلوم کچھ ہوش جو آیا تو گریباں نہیں دیکھا
شائستۂ صحبت کوئی ان میں نہیں اصغؔر کافر نہیں دیکھے کہ مسلماں نہیں دیکھا

☆☆☆

رخ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی
نقاب اس نے الٹ کر یہ حقیقت ہم پہ عریاں کی یہیں پر ختم ہو جاتی ہیں بحثیں کفر و ایماں کی
روانی رنگ لائی دیدۂ خونابہ افشاں کی اتر آئی ہے اک تصویر دامن پر گلستاں کی
حقیقت کھول دیتا میں جنوں کے راز پنہاں کی قدم دیدی ہے لیکن قیس نے چاک گریباں کی

مری اک بے خودی میں سیکڑوں ہوش و خرد گم ہیں　　یہاں کے ذرہ ذرہ میں ہے وسعت اک بیاباں کی
مجھی سے بگڑے رہتے ہیں مجھی پر ہے عتاب ان کا　　ادائیں چھپ نہیں سکتیں نوازشہائے پنہاں کی
اسیرانِ بلانے آہ کچھ اس درد سے کھینچی　　نگہباں چیخ اٹھے ہل گئی دیوارِ زنداں کی
نگاہِ یاس و آہِ عاشقان و نالۂ بلبل　　معاذ اللہ کتنی صورتیں ہیں ان کے پیکاں کی
اسیرانِ بلا کی حسرتوں کو آہ کیا کہیے　　تڑپ کے ساتھ اونچی ہو گئی دیوارِ زنداں کی

☆☆☆

ادھر وہ خندۂ گلہائے رنگیں صحنِ گلشن میں　　ادھر اک آگ لگ جانا وہ بلبل کے نشیمن میں
بن آئی بادہ نوشوں کی بہار آئی ہے گلشن میں　　لب جو ڈھل رہی ہے بھر لیے ہیں پھول دامن میں
تپش جو شوق میں تھی وصل میں بھی ہے وہی مجھ کو　　چمن میں بھی وہی اک آگ ہے جو تھی نشیمن میں
مری وحشت پہ بحث آرائیاں اچھی نہیں ناصح!　　بہت سے باندھ رکھے ہیں گریباں میں نے دامن میں
الٰہی کون سمجھے میری آشفتہ مزاجی کو　　قفس میں چین آتا ہے نہ راحت ہے نشیمن میں
بہار آتے ہی وہ ایکبارگی میرا تڑپ جانا　　وہ جا پڑنا قفس کا آپ سے آپ اڑ کے گلشن میں
ابھی اک موج سے اٹھی تھی میخانے میں اے واعظ　　ابھی اک برق چمکی تھی مرے وادیِ ایمن میں

☆☆☆

عشووں کی ہے نہ اس نگہ فتنہ زا کی ہے　　ساری خطا مرے دلِ شورش ادا کی ہے
مستانہ کر رہا ہوں رہ عاشقی کو طے　　کچھ ابتدا کی ہے نہ خبر انتہا کی ہے
کھلتے ہی پھول باغ میں پژمردہ ہو چلے　　جنبش رگِ بہار میں موجِ فنا کی ہے
ہم خستگانِ راہ کو راحت کہاں نصیب　　آواز کان میں ابھی بانگِ درا کی ہے
ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو　　اب تو یہی زبان مرے مدعا کی ہے
لطفِ نہاں یار کا مشکل ہے امتیاز　　رنگت چڑھی ہوئی ستم برملا کی ہے

☆☆☆

جلوۂ رنگیں اتر آیا نگاہِ شوق میں　　ہم لطافت جسم کی اے سیم تن دیکھا کیے

شیوۂ منصور تھا اہل نظر کو بھی گراں　　پھر بھی کس حسرت سے سب دار و رسن دیکھا کیے
دشت غربت کی طرف اک آہ بھر کر جست کی　　گرد کو پہروں مری اہل وطن دیکھا کیے
بلبل و گل میں جو گزری ہم کو اس سے کیا غرض　　ہم تو گلشن میں فقط رنگ چمن دیکھا کیے
دوڑتے پھرتے تھے جلوے ان کے موج نور میں　　دور سے ہم راز شمع انجمن دیکھا کیے

☆☆☆

شعور غم نہ ہو فکر مآل کار نہ ہو　　قیامتیں بھی گزر جائیں ہوشیار نہ ہو
وہ دست ناز جو معجز نمائیاں نہ کرے　　لحد کا پھول چراغ سر مزار نہ ہو
اٹھاؤں پردۂ ہستی جو ہو جہاں نہ خراب　　سناؤں راز حقیقت جو خوف دار نہ ہو
ہر اک جگہ تری برق نگاہ دوڑ گئی　　غرض یہ ہے کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو
یہ دیکھتا ہوں ترے زیر لب تبسم کو　　کہ بحر حسن کی اک موج بے قرار نہ ہو
خزاں میں بلبل بے کس کو ڈھونڈیے چل کر　　وہ برگ خشک کہیں زیر شاخسار نہ ہو
سمجھ میں برق سر طور کس طرح آئے　　جو موج بادہ میں ہیجان و انتشار نہ ہو
دکھادے بے خودی شوق وہ سماں مجھ کو　　کہ صبح وصل نہ ہو شام انتظار نہ ہو
نگاہ شوق کو یارا ئے سیر و دید نہ ہو　　جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یار نہ ہو
ذرا سے پردۂ محمل کی کیا حقیقت تھی　　غبار قیس کہیں خود ہی پردہ دار نہ ہو

☆☆☆

اس کا وہ قد رعنا اس پر وہ رخ رنگیں　　نازک سا سر شاخ اک گویا گل تر دیکھا
تم سامنے کیا آئے اک طرفہ بہار آئی　　آنکھوں نے مری گویا فردوس نظر دیکھا
ہر ذرے میں صحرا کے بے تاب نظر آئی　　لیلی کو بھی مجنوں نے یوں خاک بسر دیکھا
مستی سے ترا جلوہ خود عرض تماشا ہے　　آشفتہ مزاجوں کا یہ کیف نظر دیکھا
ہاں وادی ایمن کے معلوم ہیں سب قصے　　موسیٰ نے فقط اپنا اک ذوق نظر دیکھا

☆☆☆

عشق کی بے تابیوں پر حسن کو رحم آ گیا   جب نگاہِ شوق تڑپی پردۂ محمل نہ تھا
تھیں نگاہ شوق کی رنگینیاں چھائی ہوئی   پردۂ محمل اٹھا تو صاحبِ محمل نہ تھا
قہر ہے تھوڑی سی بھی غفلت طریقِ عشق میں   آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

☆☆☆

اک عالمِ حیرت ہے فنا ہے نہ بقا ہے   حیرت بھی یہ حیرت ہے کہ کیا جانیے کیا ہے
سو بار جلا ہے تو یہ سو بار بنا ہے   ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے
ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ اک برقِ بلا ہے   آنکھوں کا اشارہ ہے کہ سیلابِ فنا ہے
سنتا ہوں بڑے غور سے افسانۂ ہستی   کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزِ ادا ہے
ہے تیرے تصور سے یہاں نور کی بارش   یہ جانِ حزیں ہے کہ شبستانِ حرا ہے

☆☆☆

ایک مشتِ خاک کا کیا ہو بیانِ اضطراب   ذرے ذرے میں نہاں ہے اک جہانِ اضطراب
جانتے ہیں وہ ادائیں اس دلِ بیتاب کی   ان سے بڑھ کر کون ہوگا نکتہ دانِ اضطراب
ناصحِ مشفق مگر یونہی تڑپنے دے مجھے   مجھ کو بھی معلوم ہے سود و زیانِ اضطراب
ذرے ذرے کو ہے جنبش ان کے برقِ حسن سے   اڑ نہ جائے ایک دن یہ خاکدانِ اضطراب
دونوں عالم کو تہ و بالا نہ کر ڈالیں کہیں   آپ کا اندازِ شوخی میری شانِ اضطراب
کس نے پہلو میں مرے لا کر بٹھایا ہے تجھے   او دلِ شوریدہ او آفت نشانِ اضطراب

☆☆☆

یہ بھی فریب سے ہیں کچھ دردِ عاشقی کے   ہم مر کے کیا کریں گے کیا کر لیا ہے جی کے
محسوس ہو رہے ہیں بادِ فنا کے جھونکے   کھلنے لگے ہیں مجھ پر اسرار زندگی کے
شرح و بیانِ غم ہے اک مطلبِ مقید   خاموش ہوں کہ معنی صدہا ہیں خامشی کے
بارِ الم اٹھایا رنگِ نشاط دیکھا   آئے نہیں ہیں یونہی انداز بے حسی کے

☆☆☆

سب کی بقدر حوصلۂ دل نظر میں ہے　　جلوہ تمہارا ذوق طلب کے اثر میں ہے
قید قفس میں طاقت پرواز اب کہاں　　رعشہ سا کچھ ضرور ابھی بال و پر میں ہے
تم باخبر ہو چاہنے والوں کے حال سے　　سب کی نظر کا راز تمھاری نظر میں ہے
تقدیر کس کے خرمن ہستی کی کھل گئی　　طوفان بجلیوں کا تمھاری نظر میں ہے
مجھ کو جلا کے گلشنِ ہستی نہ پھونک دے　　وہ آگ جو دبی ہوئی مجھ مشتِ پر میں ہے

☆☆☆

ہر ادائے حسن آئینے میں آتی ہے نظر　　یعنی خود کو دیکھتے ہیں مجھ کو حیراں دیکھ کر
ذرے ذرے سے نمایاں ہے تجلائے قدم　　ہوش گم ہیں وسعتِ صحرائے امکاں دیکھ کر
کچھ غنیمت ہوگئی یہ پردہ ہائے آب ورنگ　　حسن کو یوں کون رہ سکتا تھا عریاں دیکھ کر
بے تکلف ہو کے مجھ سے سب اٹھا ڈالے حجاب　　شاہد دیر وحرم نے مست وحیراں دیکھ کر
آج خون گشتہ تمنائیں مجھے یاد آگئیں　　ہرطرف ہنگامۂ جوش بہاراں دیکھ کر
گر پڑی خود روح قید عنصری میں ٹوٹ کر　　لذت ذوق فنا ہر سو فراواں دیکھ کر
پھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ ادائے برق حسن　　چیخ اٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھ کر

☆☆☆

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح وبیاں رکھ دی　　زباں بے نگہ رکھ دی نگاہ بے زباں رکھ دی
مٹی جاتی تھی بلبل جلوۂ گلہائے رنگیں پر　　چھپا کر کس نے ان پردوں میں برق آشیاں رکھ دی
نیاز عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظ ناداں　　ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھ دی
قفس کی یاد میں یہ اضطراب دل معاذ اللہ　　کہ میں نے توڑ کر ایک ایک شاخ آشیاں رکھ دی
کرشمے حسن کے پنہاں تھے شاید رقص بسمل میں　　بہت کچھ سوچ کر ظالم نے تیغ خونفشاں رکھ دی
الٰہی کیا کیا تو نے کہ عالم میں تلاطم ہے　　غضب کی ایک مشتِ خاک زیر آسماں رکھ دی

☆☆☆

گرم تلاش وجستجو اب ہے تری نظر کہاں　　خون ہے کچھ جما ہوا قلب کہاں؛ جگر کہاں

ہے یہ طریق عاشقی چاہیے اس میں بے خودی　　اس میں چناں چنیں کہاں اس میں اگر مگر کہاں
زلف تھی جو بکھر گئی رخ تھا کہ جو نکھر گیا　　ہائے وہ شام اب کہاں ہائے وہ اب سحر کہاں
کیجیے آج کس طرح دوڑ کے سجدۂ نیاز　　یہ بھی تو ہوش اب نہیں پانوں کہاں ہے سر کہاں
ہائے وہ دن گزر گئے جوشش اضطراب کے　　نیند قفس میں آ گئی اب غم بال و پر کہاں
ہوش و خرد کے پھیر میں عمر عزیز صرف کی　　رات تو کٹ گئی یہاں دیکھیے ہو سحر کہاں

☆☆☆

صرف اک سوز تو مجھ میں ہے مگر ساز نہیں　　میں فقط درد ہوں جس میں کوئی آواز نہیں
مجھ سے جو چاہیے وہ درس بصیرت لیجیے　　میں خود آواز ہوں میری کوئی آواز نہیں
پھر یہ سب شورش و ہنگامۂ عالم کیا ہے　　اسی پردے میں اگر حسن جنوں ساز نہیں
آتش جلوۂ محبوب نے سب پھونک دیا　　اب کوئی پردہ نہیں پردہ برانداز نہیں

☆☆☆

اسرار عشق ہے دل مضطر لیے ہوئے　　قطرہ ہے بے قرار سمندر لیے ہوئے
آشوب دہر و فتنۂ محشر لیے ہوئے　　پہلو میں یعنی ہوں دل مضطر لیے ہوئے
موج نسیم صبح کے قرباں جائیے　　آئی ہے بوئے زلف معنبر لیے ہوئے
کیا مستیاں چمن میں ہیں جوش بہار سے　　ہر شاخ گل ہے ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے
قاتل نگاہِ یاس کی زد سے نہ بچ سکا　　خنجر تھے ہم بھی اک تہ خنجر لیے ہوئے
خیرہ کیے ہے چشم حقیقت شناس کو　　ہر ذرہ ایک مہر منور لیے ہوئے
پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی　　ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لیے ہوئے
تصویر ہے کھنچی ہوئی نازونیاز کی　　میں سر جھکائے اور وہ خنجر لیے ہوئے
صہبائے تند و تیز کو ساقی سنبھالنا　　اچھلے کہیں نہ شیشۂ و ساغر لیے ہوئے
میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں　　رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے
نام ان کا آ گیا کہیں ہنگام باز پرس　　ہم تھے کہ اڑ گئے صف محشر لیے ہوئے
اصغر حریم عشق میں ہستی ہی جرم ہے　　رکھنا کبھی نہ پاؤں یہاں سر لیے ہوئے

☆☆☆

نہ یہ شیشہ نہ یہ ساغر نہ یہ پیمانہ بنے جانِ میخانہ تری نرگسِ مستانہ بنے
مرتے مرتے نہ کبھی عاقل وفرزانہ بنے ہوش رکھتا ہو جو انسان تو دیوانہ بنے
پرتو رخ کے کرشمے تھے سرراہ گزر ذرے جو خاک سے اٹھے وہ صنم خانہ بنے
موج صہبا سے بھی بڑھ کر ہوں ہوا کے جھونکے ابر یوں جھوم کے چھاجائے کہ میخانہ بنے
کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگ کمال چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے
چھوڑ کر یوں درِ محبوب چلا صحرا کو ہوش میں آئے ذرا قیس نہ دیوانہ بنے
خاک پروانے کی برباد نہ کر بادِ صبا یہی ممکن ہے کہ کل تک مرا افسانہ بنے
جرعۂ سے تری مستی کی ادا ہوجائے موج صہبا تری ہر لغزش مستانہ بنے
اس کو مطلوب ہیں کچھ قلب وجگر کے ٹکڑے جیب ودامن نہ کوئی پھاڑ کے دیوانہ بنے
رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

☆☆☆

گم کردیا ہے دید نے یوں سربسر مجھے ملتی ہے اب انھیں سے کچھ اپنی خبر مجھے
نالوں سے میں نے آگ لگادی جہاں میں صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے
اللہ رے ان کے جلوے کی حیرت فزائیاں یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
مانا حریم ناز کا پایہ بلند ہے لے جائے گا اچھال کر دردِ جگر مجھے
ایسا کہ بت کدے کا جسے راز ہو سپرد اہل حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے
کیا دردِ ہجر اور یہ کیا لذتِ وصال اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے
مست شباب وہ ہیں میں سرشارِ عشق ہوں میری خبر انھیں ہے نہ ان کی خبر مجھے
جب اصل اس مجاز وحقیقت کی ایک ہے پھر کیوں پھرا رہے ہیں ادھر سے اُدھر مجھے

☆☆☆

سامنے ان کے تڑپ کر اس طرح فریاد کی میں نے پوری شکل دکھلادی دلِ ناشاد کی

اب بھی ہے وجہ تسکیں خاطر ناشاد کی　　زندگی نے دیارِ حسن میں برباد کی
ہوش پر بجلی گری آنکھیں بھی خیرہ ہوگئیں　　تم تو کیا تھے اک جھلک سی تھی تمھاری یاد کی
چل دیا مجنوں تو صحرا سے کسی جانب مگر　　اک صدا گونجی ہوئی ہے نالۂ وفریاد کی
نغمۂ پردرد چھیڑا میں نے اس انداز سے　　خود بخود مجھ پر نظر پڑنے لگی صیاد کی
دل ہوا مجبور جس دم اشک حسرت بن گیا　　روح جب تڑپی تو صورت بن گئی فریاد کی
اس حریم قدس میں کیا لفظ ومعنی کا گزر　　پھر بھی سب باتیں پہنچتی ہیں لب فریاد کی
تمتما اٹھے وہ عارض میرے عرض شوق پر　　حسن جاگ اٹھا وہیں جب عشق نے فریاد کی
آشیاں میں اب کسی صورت نہیں پڑتا ہے چین　　تھی نظر تاثیر میں ڈوبی ہوئی صیاد کی
شعر میں رنگینی جوش تخیل چاہیے　　مجھ کو اصغرؔ کم ہے عادت نالۂ وفریاد کی

☆☆☆

سرشک شوق کا وہ ایک قطرۂ ناچیز　　اچھالتا تھا کہ اک بحر بے کنار ہوا
ادائے عشق کی تصویر کھنچ گئی پوری　　وفور جوش سے یوں حسن بے قرار ہوا
بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے　　نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا
لیے پھری نگہ شوق سارے عالم میں　　شدید جلوہ حسن آج بے قرار ہوا
جہاں بھی میری نگاہوں سے ہوچلا معدوم　　اے بڑا غضب اے چشم سحر کار ہوا
مری نگاہوں نے جھک جھک کر کردیے سجدے　　جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

☆☆☆

ذوق سرمستی کو محو روئے جاناں کردیا　　کفر کو اس طرح چمکایا کہ ایماں کردیا
تونے یہ اعجاز کیا اے سوز پنہاں کردیا　　اس طرح پھونکا کہ آخر جسم کو جاں کردیا
جس پہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب　　بے خودی نے اب اسے محسوس وعریاں کردیا
کچھ نہ ہم سے ہوسکا اس اضطراب شوق میں　　ان کے دامن کو مگر اپنا گریباں کردیا
رکھ دیے دیر وحرم سر مارنے کے واسطے　　بندگی کو بے نیاز کفر وایماں کردیا
عارض نازک پہ ان کے رنگ سا کچھ آگیا　　ان گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کردیا

ان بتوں کی صورتِ زیبا کو امتر کیا کہوں　　پر خدا نے وائے ناکامی مسلماں کردیا

☆☆☆

ہوش کسی کا بھی نہ رکھ جلوہ گہ نماز میں　　بلکہ خدا کو بھول جا سجدۂ بے نیاز میں
راز نشاط خلد ہے خندۂ دل نواز میں　　غیب وشہود کے رموز نرگس نیم باز میں
آج جو اضطراب شوق حد سے سوا گزر گیا　　اور بھی جان پڑ گئی عشوۂ جاں گداز میں
اس سے زیادہ اور کیا شوخیِ نقش پا کہوں　　برق سی اک چمک گئی آج سرِ نیاز میں
آتشِ گل سے ہر طرف دست وچمن دہک اٹھا　　ایک شرار طور ہے خلوتیانِ راز میں
ہوش وخرد کے ساتھ ساتھ جان حزیں بھی سوخت ہے　　آگ سی ہے بھری ہوئی سینۂ نے نواز میں
پردۂ دہر کچھ نہیں ایک ادائے شوخ ہے　　خاک اٹھا کے ڈال دی دیدۂ امتیاز میں
اے دل شوخ وحیلہ جو زیرِ کمین رنگ وبو　　طائر قدس کو بھی لے دام گہ مجاز میں
سب ہے ادائے بیخودی ورنہ ادائے حسن کیا　　ہوش کا جب گزر نہیں اس کی حریم ناز میں

☆☆☆

جو شجر باغ میں ہے وہ شجر طور ہے آج　　پتے پتے میں جو دیکھا تو وہی نور ہے آج
شورش دل جو وہ ہوتی تھی بدستور ہے آج　　نہیں معلوم وہ نزدیک ہے یا دور ہے آج
فصل گل جوش نمو، طلعتِ زیبائے بہار　　عرض دیدار پہ یک جلوۂ مستور ہے آج
میں نے خاکستر دل میں نہیں دیکھا جس کو　　وہی ذرہ تو ہے جو برق سرطور ہے آج
نہیں معلوم یہاں دارورسن ہے کہ نہیں　　خون میں گرمیٔ ہنگامۂ منصور ہے آج
جس سے کل تک دل بیتاب پھڑکا جاتا تھا　　اسی شعلہ کو جو دیکھا تو سرطور ہے آج

☆☆☆

سب گھیر لیا جلوۂ حسن بشری نے　　پایا ہے سرعرش بھی سیر نظری نے
افتادگی راہ کی منزل کو نہ سمجھا　　آخر نہ دیا ساتھ مرا ہمسفری نے
اس جلوہ بے کیف سے محروم ہی رکھا　　کمبخت کبھی ہوش کبھی بے خبری نے

کس شان سے پردے کو ہٹایا ہے تڑپ کر   ناکامی پر درد حجاب بشری نے

☆☆☆

آنکھوں میں تیری بزم تماشا لیے ہوئے   جنت میں بھی ہوں جنت دنیا لیے ہوئے
پاسِ ادب میں جوش تمنا لیے ہوئے   میں بھی ہوں اک حباب میں دریا لیے ہوئے
ہے آرزو کہ آئے قیامت ہزار بار   فتنہ طرازی قد رعنا لیے ہوئے
طوفان ناز اور پریشاں غبار قیس   شان نیاز محمل لیلا لیے ہوئے
پھر دل میں التفات ہوا ان کے جاگزیں   اک طرز خاص رنجش بے جا لیے ہوئے
پھر ان لبوں پہ موج تبسم ہوئی عیاں   سامانِ جوش رقص تمنا لیے ہوئے
صوفی کو ہے مشاہدہ حق کا ادعا   صدہا حجاب دیدۂ بینا لیے ہوئے
صدہا تو لطف مے سے بھی محروم رہ گئے   یہ امتیاز ساغر ومینا لیے ہوئے
مجھ کو نہیں ہے تاب خلشہائے روزگار   دل ہے نزاکت غم لیلا لیے ہوئے
تو برق حسن اور تجلی سے یہ گریز   میں خاک اور ذوق تماشا لیے ہوئے
افتادگانِ عشق نے سراب تو رکھ دیا   اٹھیں گے بھی تو نقش کف پا لیے ہوئے
رگ رگ میں اور کچھ نہ رہا جز خیال دوست   اس شوخ کو ہوں آج سراپا لیے ہوئے
دل مبتلاؤ مائل تمکیں اتقا   جام شراب نرگس رسوا لیے ہوئے
سرمایۂ حیات ہے حرمان عاشقی   ہے ساتھ ایک صورت زیبا لیے ہوئے
جوش جنوں میں چھوٹ گیا آستان یار   روتے ہیں منہ پہ دامن صحرا لیے ہوئے
اصغرؔ ہجوم درد غریبی میں اس کی یاد   آئی ہے اک طلسم تمنا لیے ہوئے

☆☆☆

ہے دلِ ناکام عاشق میں تمھاری یاد بھی   یہ بھی کیا گھر ہے کہ ہے برباد بھی آباد بھی
دل کے مٹنے کا مجھے کچھ اور ایسا غم نہیں   ہاں مگر اتنا کہ ہے اس میں تمھاری یاد بھی
کس کو یہ سمجھایئے نیرنگ کار عاشقی   تھم گئے اشک مسلسل رک گئی فریاد بھی
سینے میں دردِ محبت راز بن کر رہ گیا   اب وہ حالت ہے کہ کر سکتے نہیں فریاد بھی

کچھ تو اصغر مجھ میں ہے قائم ہے جس سے زندگی   جان بھی کہتے ہیں اس کو اور ان کی یاد بھی

☆☆☆

سرگرم تجلی ہو اے جلوہ جانانہ   اڑ جائے دھواں بن کر کعبہ ہو کہ بتخانہ
یہ دین، وہ دنیا ہے، یہ کعبہ وہ بتخانہ   اک اور قدم بڑھ کر اے ہمت مردانہ
قربان ترے میکش ہاں اے نگہ ساقی   تو صورت ہستی ہے تو معنی میخانہ
اب تک نہیں دیکھا ہے کیا اس رخِ خنداں کو   اک تار شعاعی سے الجھا ہے جو پروانہ
مانا کہ بہت کچھ ہے یہ گرمی حسن شمع   اس سے بھی زیادہ ہے سوز غم پروانہ
زاہد کو تعجب ہے صوفی کو تحیر ہے   صدرشک طریقت ہے یہ لغزش مستانہ
اک قطرۂ شبنم پر خورشید ہے عکس آرا   یہ نیستی و ہستی افسانہ ہے افسانہ
انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبستاں کے   اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ

☆☆☆

ہر جنبشِ نگاہ تری جان آرزو   موج خرام ناز ہے ایمانِ آرزو
جلوے تمام حسن کے آکر سما گئے   اللہ رے یہ وسعت دامانِ آرزو
میں اک چراغ کشتہ ہوں شام فراق کا   تو نوبہار صبح گلستانِ آرزو
اس میں وہی ہیں یا مرا حسن خیال ہے   دیکھوں اٹھا کے پردہ ایوانِ آرزو
اک راز ہے تبسم غمناک ہجر میں   ہے اک طلسم گریۂ خندانِ آرزو
اب طور پر وہ برق تجلی نہیں رہی   تھرا رہا ہے شعلۂ عریانِ آرزو
اس کی نگاہ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح   اب تک اچھل رہی ہے رگ و جانِ آرزو
اس نور بہار ناز کی صورت کی ہو بہو   تصویر ایک ہے تہہ دامانِ آرزو
کوثر کی موج تھی تری ہر جنبشِ خرام   شاداب ہوگیا چمنستانِ آرزو

☆☆☆

جان بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی   اب چمن میں نہ رہا شعلۂ عریاں کوئی

بے محابا ہو اگر حسن تو وہ بات کہاں　　چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی
خرمنِ گل سے لپٹ کر وہیں مرجانا تھا　　اب کرے کیوں گلۂ تنگی داماں کوئی
کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد!　　تو نے دیکھا تھا ستارہ سرمژگاں کوئی
اشک خونیں ہے کہیں نالۂ رنگیں ہے کہیں　　ہر نفس میں اتر آتا ہے گلستاں کوئی
پردۂ لالہ وگل بھی ہے بلا کا خونریز　　اب زیادہ نہ کرے حسن کو عریاں کوئی
اپنے انداز پہ ہو شاہد فطرت بیخود　　رکھ دے آئینہ اگر دیدۂ حیراں کوئی
کیا کرے زاہد بیچارہ اسے کیا معلوم　　رحم کرتا ہے باندازۂ عصیاں کوئی
دل میں اک بوند لہو کی نہیں رونا کیسا　　اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی
شعلۂ طور کو دیکھا ہے تواجد کرتے　　شب کو جب رقص میں آجاتا ہے ارماں کوئی
دل کا ہر داغ ہے سرمایۂ رنگینیٔ حسن　　دیکھنا ہوگا اسی میں نہ کنعاں کوئی
لطف ہر طرح کا ہے دشت جنوں میں لیکن　　پھاڑنے کو نہیں ملتا ہے گریباں کوئی
اب اسے ہوش کہوں یا میں کہ جنوں اے اصغر　　مجھ کو ہر تار میں ملتا ہے گریباں کوئی

☆☆☆

پردۂ حرماں میں آخر کون ہے اس کے سوا　　اے خوشا دردے کہ نزدیکی بھی ہے دوری بھی ہے
حسرت ناکام میری کام سے غافل نہیں　　اک طریق جستجو یہ درد مجبوری بھی ہے
میں تو ان مجبوریوں پر بھی سراپا دید ہوں　　اس کے جلوے کی ادا اک شان مستوری بھی ہے
میری محرومی کے اندر سے یہ دی اس نے صدا　　قرب کی راہوں میں میری راہ اک دوری بھی ہے
قلب پر اب تک تڑپتی ہے شعاعِ برق طور　　خون کے قطروں میں اب تک رقص منصوری بھی ہے

☆☆☆

تو وہ قاتل ہے کہ ہر وار ترا رحمت ہے　　میں وہ زخمی ہوں کہ ہر زخم ہے اک تازہ علاج
چشم پرشوق کو گو حسن سے پہنچی ہے ضیا　　حسن کا رنگ بھی ہے ذوق نظر کا محتاج
جس میں ہر روز نئے رنگ سے آتی تھی بہار　　ہوگیا وہ چمنستانِ تمنا تاراج
فائدہ کیا کہ ترے عشق کو بدنام کروں　　میں ازل ہی سے ہوں دل رفتہ و وارستہ مزاج

انتہا دید کی یہ ہے کہ نہ کچھ آئے نظر   کیف بیرنگی حیرت ہے نظر کی معراج
صاف کہتا ہے کہ میں کیا ہوں فقط دریا ہے   کس قدر شوخ ہے ہر قطرۂ منصور مزاج

☆☆☆

ہے آتش بیتابی کچھ خرمن ہستی میں   اک برق بلا بن کر تاثیر دعا آئی
ہنگام سیہ مستی یہ فکر فلک پیما   ایک ایک ستارے کو آئینہ دکھا آئی
بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے   غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا آئی
اس عارض رنگیں پر عالم وہ نگاہوں کا   معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی
مجنوں کی نظر میں بھی شاید کوئی لیلیٰ ہے   ایک ایک بگولے کو دیوانہ بنا آئی
اک شور انا لیلی خلقت نے سنا لیکن   پھر نجد کے صحرا سے کوئی نہ صدا آئی

☆☆☆

آج پھر حسن حقیقت کو نمایاں کردیں   ظلمتِ کفر کو خال رخ ایماں کردیں
نالۂ غم سے حقیقت کو نمایاں کردیں   نے کو اس طرح سے چھیڑیں کہ نیستاں کردیں
بند ہو آنکھ ہٹے منظر فطرت کا حجاب   لاؤ اک شاہد مستور کو عریاں کردیں
خاک کردیں تپش عشق سے ساری ہستی   پھر اسی خاک کو خاکِ درجاناں کردیں
رحمتِ حق نے بہت دیکھ لی ایماں کی بہار   اب ذرا سامنے رعنائی عصیاں کردیں
کرلیا جائزۂ ہستی عالم سارا   اس پہ اب مہر ترے دیدۂ حیراں کردیں
دیر کی راہ نہ ملتی ہو تو کعبہ ہی سہی   کفر جب کفر نہ بنتا ہو تو ایماں کردیں
جان بیتاب پہ وہ چوٹ تری یاد کی دیں   نفس بازپسیں کو بھی فروزاں کردیں
نہ ہوا دل کو اگر ذوق عبادت نہ سہی   اب اسے صرف رہ لذت عصیاں کردیں
پھر ہر اک درد الم آج بنے وجہ نشاط   دل کے ہرداغ کو پھر شمع شبستاں کردیں

☆☆☆

نہ کھلے عقدہائے نازونیاز   حسن بھی راز اور عشق بھی راز

راز کی جستجو میں مرتا ہوں　　اور میں خود ہوں ایک پردۂ راز
بال و پر میں مگر کہاں پائیں　　بوئے گل یعنی ہمتِ پرواز
سازِ دل کیا ہوا وہ ٹوٹا سا　　ساری ہستی ہے گوش برآواز
لذتِ سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ　　ہائے وہ اتصالِ نازونیاز
دیکھ رعنائی حقیقت کو　　عشق نے بھردیا ہے رنگ مجاز
سازِ ہستی کا جائزہ کیسا　　تار کیا دیکھ تار کی آواز

☆☆☆

وہ نظر اس کی جو ہے موجۂ صدروح حیات　　مجھ تک آئے تو وہی تیر قضا ہوجائے
ہے تلون سے ترے جلوۂ نیرنگ حیات　　میں تو مرجاؤں جو امید وفا ہوجائے
لالۂ وگل پہ جو ہے قطرۂ شبنم کی بہار　　رخ رنگیں پہ جو آئے تو حیا ہوجائے

☆☆☆

پاتا نہیں جو لذت آہ سحر کو میں　　پھر کیا کروں گا لے کے الہی اثر کو میں
آشوب گاہ حشر مجھے کیوں عجیب ہو　　جب آج دیکھتا ہوں تری رہ گزر کو میں
ایسا بھی ایک جلوہ تھا اس میں چھپا ہوا　　اس رخ پہ دیکھتا ہوں اب اپنی نظر کو میں
جینا بھی آگیا مجھے مرنا بھی آگیا　　پہچاننے لگا ہوں تمھاری نظر کو میں
وہ شوخیوں سے جلوہ دکھا کر تو چل دیے　　ان کی خبر کو جاؤں کہ اپنی خبر کو میں
آہوں نے میری خرمن ہستی جلادیا　　کیا منہ دکھاؤں گا تری برق نظر کو میں
باقی نہیں جو لذت بیداری فنا　　پھر کیا کروں گا زندگی بے اثر کو میں
اصغر مجھے جنوں نہیں لیکن یہ حال ہے　　گھبرارہاہوں دیکھ کے دیوار و در کو میں

☆☆☆

کیا کہیے جاں نوازی پیکان یار کو　　سیراب کردیا دل منت گزار کو
جوش شباب ونشۂ صہبا ہجوم شوق　　تعبیریوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا — یونہی نہ جانیے مرے مشتِ غبار کو
میرے مذاقِ شوق کا اس میں بھرا ہے رنگ — میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویرِ یار کو
ہاں اے نگارِ خوبی و اے جانِ دلبری — تو نے حیات بخشی ہے صبحِ بہار کو
اس جوئبارِ حسن سے سیراب ہے فضا — روکو نہ اپنی لغزشِ مستانہ وار کو
تھی بوئے دوست موجِ نسیمِ سحر کے ساتھ — یہ اور لے اڑی مرے مشتِ غبار کو
یہ رازِ دل ہے ہستیٔ کل کائنات ہے — دیکھیں حضورِ دیدۂ امیدوار کو
تیری ہی شوخیاں تھیں گرہ میں دبی ہوئی — چھیڑا جو میں نے موجِ نسیمِ بہار کو
کچھ اور ہی فضا دلِ بے مدعا کی ہے — دیکھا ہے روزِ وصل و شبِ انتظار کو
اصغرؔ نشاطِ روح کا اک کھل گیا چمن — جنبش ہوئی جو خامۂ رنگیں نگار کو

☆☆☆

یوں نہ مایوس ہو اے شورشِ ناکام ابھی — میری رگ رگ میں ہے اک آتشِ بے نام ابھی
عاشقی کیا ہے ہر اک شے سے تہی ہو جانا — اس سے ملنے کی ہے دل میں ہوسِ خام ابھی
انتہا کیف کی افتادگی و پستی ہے — مجھ سے کہتا تھا یہی دردِ تہِ جام ابھی
علم و حکمت کی تمنا ہے نہ کونین کا غم — میرے شیشے میں ہے باقی مئے گلفام ابھی
سب مزے کر دیئے خورشیدِ قیامت نے خراب — میری آنکھوں میں تھا اک روئے دل آرام ابھی
بلبلِ زار سے گو صحنِ چمن چھوٹ گیا — اس کے سینے میں ہے اک شعلۂ گلفام ابھی

☆☆☆

نہ کچھ فنا کی خبر ہے نہ ہے بقا معلوم — بس ایک بے خبری ہے سو وہ بھی کیا معلوم
ہجومِ شوق میں اب کیا کہوں میں کیا نہ کہوں — مجھے تو خود بھی نہیں اپنا مدعا معلوم
غرض یہ ہے کسی عنواں تجھے کریں مائل — کرشمہ سازیٔ ہر رند و پارسا معلوم
جبینِ شوق کی شوریدگی کو کیا کہیے — وگرنہ عشوہ طرازیٔ نقشِ پا معلوم
نکھر کے تو اسی پردے میں جلوہ آرا ہے — بہارِ لالہ و گل شوخیٔ صبا معلوم
ستم جو چاہے کرے مجھ پہ عکسِ ذوقِ نظر — بساطِ آئینۂ حسنِ خود نما معلوم

☆☆☆

ہر موج ہوا زلفِ پریشانِ محمدؐ — ہے نور سحر صورتِ خندانِ محمدؐ
کچھ صبحِ ازل کی نہ خبر شامِ ابد کی — بے خود ہوں تہ سایۂ دامانِ محمدؐ
تو سینۂ صدیقؓ میں اک راز نہاں ہے — صدقے ترے اے صورتِ جانانِ محمدؐ
چھٹ جائے اگر دامنِ کونین تو کیا غم — لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ محمدؐ
دے عرصۂ کونین میں یارب کہیں وسعت — پھر وجد میں ہے روحِ شہیدانِ محمدؐ
بجلی ہو مہ و مہر ہو، یا شمعِ حرم ہو — ہے سب کے جگر میں رخِ تابانِ محمدؐ
اے حسنِ ازل اپنی اداؤں کے مزے لے — ہے سامنے آئینۂ حیرانِ محمدؐ
اصغرؔ ترے نغموں میں بھی ہے جوشِ دروداب — اے بلبلِ شوریدۂ بستانِ محمدؐ

☆☆☆

ازل میں کچھ جھلک پائی تھی اس آشوبِ عالم کی — ابھی تک ذرہ ذرہ پر ہے حالت رقصِ پیہم کی
نظامِ دہر کیا؟ بے تابیوں کے کچھ مظاہر ہیں — گداز عشق گویا روح ہے ارکانِ عالم کی
نہیں معلوم کتنے جلوہ ہائے حسن پنہاں ہوں — کوئی پہنچا نہیں گہرائیوں میں اشکِ پیہم کی
خودی ہے جو لیے جاتی ہے سب کو بے خبر کر کے — اسی چھوٹے سے نقطہ پر نظر ہے سارے عالم کی
شعاعِ مہر خود بیتاب ہے جذبِ محبت سے — حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی
نہ سمجھا دہر کو میں مبتلائے رنگ و بو ہو کر — مجھے سازِ طرب نے دیں صدائیں نالۂ و غم کی
غزل کیا، اک شرارِ معنوی گردش میں ہے اصغرؔ — یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی

☆☆☆

ہم ایک بار جلوۂ جاناں نہ دیکھتے — پھر کعبہ دیکھتے نہ صنم خانہ دیکھتے
گرنا وہ جھوم جھوم کے رندانِ مست کا — پھر پائے خم پہ سجدۂ شکرانہ دیکھتے
اک شعلہ اور شمع سے بڑھ کر ہے رقص میں — تم پھاڑ کر تو سینۂ پروانہ دیکھتے
رندوں کو صرف نشۂ بے رنگ سے غرض — یہ شیشہ دیکھتے ہیں نہ پیمانہ دیکھتے

بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشم مست پر   ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ دیکھتے
ملتی کہیں کہیں پہ رہ مستقیم بھی   اہل طریق لغزشِ مستانہ دیکھتے

☆☆☆

شاید کہ پیام آیا پھر وادی سینا سے   شعلے سے لپکتے ہیں کچھ کسوت مینا سے
مجھ کو وہی کافی ہے ساقی ترے مینا سے   جو کھینچ کے چلی آئی خود جذب تمنا سے
عالم کی فضا پوچھو محروم تمنا سے   بیٹھا ہوا دنیا میں اٹھ جائے جو دنیا سے
یارب مجھے مطلب ہے شیشہ سے نہ مینا سے   ساغر کوئی ٹپکا دے اس اوج ثریا سے
اسرار حقیقت کو اک ایک سے پوچھا ہے   ہر نغمۂ رنگیں سے ہر شاہد زیبا سے
میخانہ کی یہ صحبت اے شیخ غنیمت ہے   لے کچھ لب ساغر سے کچھ سینہ مینا سے
رہ رہ کے چمکتی ہے وہ برق تبسم بھی   لہریں سی جو اٹھتی ہیں کچھ چشم تمنا سے
تم دید کو کہتے ہو آئینہ ذرا دیکھو   خود حسن نکھر آیا اس کیف تماشا سے
انوار کی ریزش ہو اسرار کی بارش ہو   ساغر کو جو ٹکرادوں اس گنبد مینا سے
یا زندگی تو تھی ہر موج حوادث کی   یا موت کا طالب ہوں انفاسِ مسیحا سے
وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں   سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے
اشعار پہ اصغر کے ہے رقص رگ جاں میں   اک موج نسیم آئی کیا باغ معلیٰ سے

☆☆☆

برق میں جوشِ اضطراب ذرے میں سوز و سازِ عشق   کل یہ فضائے دہر ہے سینۂ پرگدازِ عشق
فتنہ دہر مٹ گیا، حشر اٹھا تھا اٹھ چکا   ختم مگر نہ ہوسکا مرحلۂ درازِ عشق
محو ادا و ناز ہے، یوں ہمہ تن نیاز ہے   پوچھ صنم پرست سے کیفیت نمازِ عشق
مستی ناز حسن کو سنتے ہیں بے نیاز ہے   اس سے بھی بے نیاز تر بیخودی نیازِ عشق
زاہد سادہ لوح کو وہم تھا اشتباہ تھا   مصحف رخ سے حل ہوا مسئلہ جوازِ عشق
بیخود و محو جسم و جاں مست زمین و آسماں   حسن نے دست ناز سے چھیڑ دیا ہے سازِ عشق

☆☆☆

گلوں کی جلوہ گری مہرومہ کی بو العجبی
تمام شعبدہ ہائے طلسم بے سببی

گزر گئی ترے مستوں پہ وہ بھی تیرہ شبی
نہ کہکشاں نہ ثریا نہ خوشۂ عنبی

یہ زندگی ہے یہی اصل علم وحکمت ہے
جمال دوست وشب ماہ وبادۂ عنبی

فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے
اداؤ رسم بلالی وطرز بو لہبی

ہجوم غم میں نہیں کوئی تیرہ بختوں کا
کہاں ہے آج تو اے آفتاب نیم شبی

سرشت عشق طلب اور حسن بے پایاں
حصول تشنہ لبی ہے شدید تشنہ لبی

وہیں سے عشق نے بھی شورشیں اڑائی ہیں
جہاں سے تو نے لیے خندہ ہائے زیر لبی

کشش نہ جام نگاریں کی پوچھ اے ساقی
جھلک رہا ہے مرا آب ورنگ تشنہ لبی

☆☆☆

صحن حرم نہیں ہے یہ کوئے بتاں نہیں
اب کچھ نہ پوچھیے کہ کہاں ہوں کہاں نہیں

مجھ میں نوائے عیش کی رنگینیاں نہیں
سوزخموش عشق ہوں سازبیاں نہیں

مدت ہوئی کہ چشم تحیر کو ہے سکوت
اب جنبش نظر میں کوئی داستاں نہیں

وہ بہترین دور محبت گزر گیا
اب مبتلائے کشمکش امتحاں نہیں

اب ہو تو سنگ خشت سے سرکو سکون ہو
وہ آستاں نہیں تو کوئی آستاں نہیں

کیا مشق آرزو کی ہیں یہ سحر کاریاں
کیا گوشۂ قفس میں مرا آشیاں نہیں

کسب حیات تو تری ہر ہر ادا سے ہے
مرنا پسند خاطر ارباب جاں نہیں

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائگاں ہے وہی رائگاں نہیں

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت
سب کچھ سہی مگر وہ ترا آستاں نہیں

ہوتا ہے راز عشق ومحبت انھیں سے فاش
آنکھیں زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں

فطرت سنارہی ہے ازل سے اسی طرح
لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

دیکھوں ہجوم غم میں وہ لے کس طرح خبر
یہ اس کا امتحاں ہے مرا امتحاں نہیں

اب اس نگاہ ناز سے ربط لطیف ہے
مجھ کو دماغ صحبت روحانیاں نہیں

☆☆☆

کیا فیض بخشیاں ہیں رخ بے نقاب کی
ذروں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی

طاقت کہاں مشاہدۂ بے حجاب کی
مجھ کو تو پھونک دے گی تجلی نقاب کی

مجھ کو خبر ہی نہ رخ بے نقاب کی
ہیں خود نمود حسن میں شانیں حجاب کی

اتنا کہ اذن شورش وفریاد دیجیے
مجھ کو سوال کی نہ ضرورت جواب کی

میں بوالہوس نہیں کہ بجھاؤں گا تشنگی
میرے لیے تو اٹھتی ہیں موجیں سراب کی

نقش قدم یہ ہیں اسی جان بہار کے
اک پنکھڑی پڑی ہے لحد پر گلاب کی

موسیٰ ظہور برق تجلی سے غش ہوئے
مجھ کو تو مارڈالتی شوخی جواب کی

حل کرلیا مجاز و حقیقت کے راز کو
پائی ہے میں نے خواب میں تعبیر خواب کی

تھی ہر عمل میں دعوے ہستی کی معصیت
مستوں نے اور راہ نکالی ثواب کی

کچھ ان کی شوخیوں سے مجھے وہم ہوچلا
دیکھوں تو قلب پہاڑ کے شکل اضطراب کی

پیری میں عقل آئی تو سمجھے کہ خوب تھی
ڈوبی ہوئی نشاط میں غفلت شباب کی

☆☆☆

نہ ہوگا ہستی بے مدعا کا رازداں برسوں
وہ زاہد جو رہا سرگشتۂ سودوزیاں برسوں

ابھی مجھ سے سبق لے محفلِ روحانیاں برسوں
رہا ہوں میں شریک حلقۂ پیر مغاں برسوں

کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمہ رنگیں
کہ فرطِ ذوق سے جھومی ہے شاخِ آشیاں برسوں

جبینِ شوق لائی ہے وہاں سے داغ ناکامی
یہ کیا کرتی رہی کمبخت ننگ آستاں برسوں

وہی تھا حال میرا جو بیاں میں آ نہ سکتا تھا
جسے کرتا رہا افشاں سکوت رازداں برسوں

نہ پوچھو مجھ پہ کیا گزری ہے میری مشق حسرت سے
قفس کے سامنے رکھا رہا ہے آشیاں برسوں

خروش آرزو ہو نغمۂ خاموش الفت میں
یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ وفغاں برسوں

نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنا میں نے
مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبار کارواں برسوں

وہاں کیا ہے نگاہ ناز کی ہلکی سی جنبش ہے
مزے لے لے کے اب تڑپا کریں ارباب جاں برسوں

محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگیں سے
رہا ہوں آشیاں میں لے کے برق آشیاں برسوں

میں وہ ہرگز نہیں جس کو قفس سے موت آتی ہو
میں وہ ہوں جس نے خود دیکھا نہ سوئے آشیاں برسوں

غزل میں درد رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا
کہ اس میدان میں روتے رہیں گے نوحہ خواں برسوں

☆☆☆

یہ عشق نے دیکھا ہے یہ عقل سے پنہاں ہے — قطرہ میں سمندر ہے ذرہ میں بیاباں ہے
ہے عشق کہ محشر میں یوں مست و خراماں ہے — دوزخ بہ گریباں ہے فردوس بہ داماں ہے
ہر شے میں تو ہی تو ہے یہ بُعد یہ حرماں ہے — صورت جو نہیں دیکھی یہ قرب رگ جاں ہے
ہے عشق کی شورش سے رعنائی و زیبائی — جو خون اچھلتا ہے وہ رنگِ گلستاں ہے
پھر گرم نوازش ہے ضو مہر درخشاں کی — پھر قطرۂ شبنم میں ہنگامۂ طوفاں ہے
اے پیکر محبوبی میں کس سے تجھے پوچھوں — جس نے تجھے دیکھا ہے وہ دیدۂ حیراں ہے
سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا — جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے
اک شورش بے حاصل اک آتش بے پروا — آفت کدۂ دل میں اب کفر نہ ایماں ہے
دھوکا ہے یہ نظروں کا بازیچہ ہے لذت کا — جو کنج قفس میں تھا وہ اصل گلستاں ہے
اک غنچۂ افسردہ یہ دل کی حقیقت تھی — یہ موج زنی خوں کی رنگینیٔ پیکاں ہے
یہ حسن کی موجیں ہیں یا جوش تبسم ہے — اس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے
مضراب محبت سے اک زمزمۂ لاہوتی؟ — پھر جوش ترنم سے بیتاب رگ جاں ہے
آغوش میں ساحل کے کیا لطف سکوں اس کو — یہ جان ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے
سب رنگ ولطافت ہے افتادگی غم میں — میں خاک ہوں اور مجھ میں سب راز گلستاں ہے
گم صاحب تمکیں ہے افسانۂ محفل میں — مجنوں کو یہی لیکن پیغام بیاباں ہے
ہیچ حسن تعین سے ظاہر ہو کہ باطن ہو — یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے
اک اک نفس میں ہے صد مرگ بلا مضمر — جینا ہے بہت مشکل مرنا بہت آساں ہے
اک جہد و کشاکش ہے ہستی جسے کہتے ہیں — کفار کا مٹ جانا خود مرگ مسلماں ہے
ہستی بھی مری پردہ، یہ لفظ و بیاں پردہ — وہ پردہ نشیں پھر بھی ہر پردے میں عریاں ہے
وہ نغمۂ رنگیں سب میں بھول گیا اصغر — اب گریۂ خونیں میں روداد گلستاں ہے

☆☆☆

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے — پردے پر مصور ہی تنہا نظر آتا ہے

نیرنگ تماشا وہ جلوہ نظر آتا ہے   آنکھوں سے اگر دیکھو پردا نظر آتا ہے
لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے   فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے
اے پردہ نشیں ضد ہے کیا چشم تمنا کو   تو دفتر گل میں بھی رسوا نظر آتا ہے
نظارہ بھی اب گم ہے بیخود ہے تماشائی   اب کون کہے اس کو جلوا نظر آتا ہے
جو کچھ تھی یہاں رونق سب بادِ چمن سے تھی   اب کنج قفس مجھ کو سونا نظر آتا ہے
احساس میں پیدا ہے پھر رنگ گلستانی   پھر داغ کوئی دل میں تازا نظر آتا ہے
تھی فرد عمل اصغر کیا دستِ مشیت میں   ایک ایک ورق اس کا سادا نظر آتا ہے

☆☆☆

جانِ نشاط حسن کی دنیا کہیں جسے   جنت ہے ایک خون تمنا کہیں جسے
اس جلوہ گاہِ حسن میں چھایا ہے ہر طرف   ایسا حجاب چشم تماشا کہیں جسے
یہ اصل زندگی ہے یہ جانِ حیات ہے   حسن مذاق شورش سودا کہیں جسے
میرے وداع ہوش کو اتنا بھی ہے بہت   یہ آب ورنگ حسن کا پردا کہیں جسے
اکثر رہا ہے حسن حقیقت بھی سامنے   اک مستقل سراب تمنا کہیں جسے
ہر موج کی وہ شان ہے جامِ شراب میں   برق فضائے وادی سینا کہیں جسے
زندانیوں کو آکے نہ چھیڑا کرے بہت   جان بہار نکہت رسوا کہیں جسے
میں ہوں ازل سے گرم روعرصۂ وجود   میرا ہی کچھ غبار ہے دنیا کہیں جسے
سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں   اتنا اچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے
شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے   وہ ربط خاص رنجش بیجا کہیں جسے
میری نگاہ شوق پہ اب تک ہے منعکس   حسن خیال شاہد زیبا کہیں جسے
میری فغانِ درد پہ اس سروناز کو   ایسا سکوت ہے کہ تقاضا کہیں جسے
دل جلوہ گاہِ حسن بنا فیضِ عشق سے   وہ داغ ہے کہ شاہد رعنا کہیں جسے
اصغر نہ کھولنا کسی حکمت مآب پر   رازِ حیات ساغر ومینا کہیں جسے

☆☆☆

عشق ہے اک کیف پنہانی مگر رنجور ہے   حسن بے پردا نہیں ہوتا مگر دستور ہے

خستگی نے کردیا اس کو رگ جاں سے قریب — جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے
لے اسی ظلمت کدہ میں اس سے محرومی کی داد — اس سے آگے اے دل مضطر حجاب نور ہے
لب پہ موج حسن جب چمکے تبسم نام ہو — رب ارنی کہہ کے چیخ اٹھوں تو برق طور ہے
نور آنکھوں میں اسی کا جلوہ خود نور محیط — دید کیا ہے کچھ تلاطم میں ہجوم نور ہے
آنکھ ہو جب محو حیرت تو نمایاں ہے وہی — فکر ہو جب کار فرما تو وہی مستور ہے
دیکھتا ہوں میں کہ ہے بحر حقیقت جوش پر — جو حباب اٹھ اٹھ کے مٹتا ہے سر منصور ہے

☆☆☆

بستر خاک پہ بیٹھا ہوں نہ مستی ہے نہ ہوش — ذرے سب ساکت وصامت ہیں ستارے خاموش
نظر آتی ہے مظاہر میں مری شکل مجھے — فطرت آئینہ بدست اور میں حیران وخموش
ترجمانی کی مجھے آج اجازت دے دے — شجر طور ہے ساکت لب منصور خموش
بحر آواز اناالبحر اگردے تو بجا — پرِ قطرۂ ناچیز سے کیوں ہے یہ خروش
ہستی غیب سے گہوارۂ فطرت جنباں — خواب میں طفلک عالم ہے سراسر مدہوش
پرتو مہر ہی ذوق رم دبیداری دے — بستر گل پہ ہے اک قطرۂ شبنم مدہوش

☆☆☆

فریب دام گہ رنگ وبو معاذاللہ — یہ اہتمام ہے اور ایک مشت پر کے لیے
جو دل سے تیر کوئی پار بھی ہوا تو کیا — تڑپ رہا ہوں ابھی تک تری نظر کے لیے
حقیقت ایک ہے صدہا لباس رنگیں میں — نظر بھی چاہیے کچھ حسن رہ گزر کے لیے
بہائے درد والم دردوغم کی لذت ہے — وہ نمک عشق ہے جو آہ ہو اثر کے لئے
بتوں کے حسن میں بھی شان ہے خدائی کی — ہزار عذر ہیں اک لذت نظر کے لیے

☆☆☆

سر سے پا تک مری ہستی گرم سوز وساز ہے — جلوۂ حسن بتاں اک غیب کی آواز ہے
چھیڑتی ہے کس لگاوٹ سے نگاہ شوق کو — خود نہت باکیف تیری جلوہ گاہ ناز ہے

دوست ای بیتابیِ دل ہے رگِ جاں سے قریب   درد جو کچھ ہے خود اپنا جلوۂ پرواز ہے
عشق تبسم کہ یہ راز جہاں کی کائنات   عقل سرگرداں کہ ہر ذرہ جہانِ راز ہے
کس قدر پرکیف ہے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا   اصل نغمہ ایک آوازِ شکست ساز ہے
ہے بہت اعلیٰ مقامِ خستگی و عاجزی   بے پروبالی سروشِ عشق کی پرواز ہے
حسن کے فتنے اٹھے میرے مذاقِ شوق سے   جس سے میں بے چین ہوں وہ خود مری آواز ہے

☆☆☆

متفرقات

توڑ کر دست طلب محو رضا ہوجائے　　سر سے پا تک ہمہ تن آپ دعا ہوجائے

☆☆☆

مجھ خستہ مہجور کی آنکھیں ہیں ترستی　　کب سے تجھے اے سروِ خراماں نہیں دیکھا

☆☆☆

وہ مزے ربط نہانی کے کہاں سے لاؤں　　ہے نظر مجھ پہ مگر اب غلط انداز نہیں

☆☆☆

یہ کیا کہا کہ غم عشق ناگوار ہوا　　مجھے تو جرعۂ تلخ اور سازگار ہوا

☆☆☆

گو نہیں رہتا کبھی پردے میں رازِ عاشقی　　تم نے چھپ کر اور بھی اس کو نمایاں کردیا

☆☆☆

غرض نشاط والم سے فقط تماشا ہے　　کہ یہ مناظر رہ اور میں ہوں رہ گزری
نہ مدعا کوئی میرا نہ کچھ ہراس مجھے　　کہ عاشقی ہے فقط بے دلی و بے جگری
اس کو بھی مثل زیست گوارا بنائیے　　تلخابۂ حیات کہ صہبا کہیں جسے
اب تک تمام فکر ونظر پر محیط ہے　　شکل صفات، معنی اشیا کہیں جسے

☆☆☆

اصغؔر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا　　اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہے

☆☆☆

دیر و حرم بھی منزل جاناں میں آئے تھے　　پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

☆☆☆

عشق تھا آپ مشتغل حسن تھا خود نمود پر میری نظر سے کیا ہوا تیری نظر نے کیا کیا

☆☆☆

کہیں اور اب جو ہوتی تری حسن کی تجلی تو نہ میری خاک ملتی نہ مراغبار ہوتا

☆☆☆

مطرب فتنہ نوا نغمۂ پرورد نہ چھیڑ نکلا پڑتا ہے مرے سینہ سے باہر کوئی
اس طرح چھیڑے افسانۂ ہجراں کوئی آج ثابت نظر آئے نہ گریباں کوئی

☆☆☆

ہے اب تو تمنا کہ کسی کو بھی نہ دیکھوں صورت جو دکھائی ہے تو لے جاؤ نظر بھی

☆☆☆

کس طرح حسن دوست ہے بے پردہ آشکار صدہا حجاب صورت ومعنی لیے ہوئے

☆☆☆

رہا جو ہوش تو رندی ومیکشی کیا ہے ذرا خبر جو ہوئی پھر وہ آگہی کیا ہے
کسی طرح تو دل زار کو قرار آئے جو غم دیا ہے تو پھر سعی دل دہی کیا ہے

☆☆☆

(ختم شد)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

اُردو کی کہانی

مصنف :
سیّد احتشام حسین
صفحات : 104
قیمت : -/32روپے

تذکرہ گلشن ہند

مصنف :
میرزا علی لطف
صفحات : 208
قیمت : -/90روپے

دِل کی گیتا

مرتب :
مخمور سعیدی
صفحات : 240
قیمت : -/92روپے

سوُرداس کے روحانی نغمے

مصنف :
جعفر رضا زیدی
صفحات : 263
قیمت : -/91روپے

کائنات جلیل مانکپوری

مرتب :
علی احمد جلیلی
صفحات : 358
قیمت : -/80روپے

لفظ (کچھ نظمیں اور غزلیں)

مصنف :
آلِ احمد سرور
صفحات : 95
قیمت : -/64روپے

ISBN: 81-7587-158-X

क़ौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110066